مقتل الحسینؑ

از

عقبہ بن سمعان صحابی حضرت سیّد الشہداءؑ

و غلام جناب رباب

مع

ضمیمہ تقریظ علماء عراق شرح مقتل عقبہ از شہید حسین ایم۔اے

ناشر

امامیہ مشن پاکستان لاہور

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.
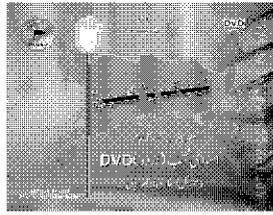
منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ لاہور نمبر ۱۵۷

مقتل الحسینؑ

جمع و تدوین و تحقیق و تنقید
سلطان الواعظین مورخ اعظم حضرت علامہ
سید مجتبیٰ حسن صاحب کامونپوری مجتہد العصر

امامیہ مشن پاکستان (ٹرسٹ) لاہور

کے سلسلۂ اشاعت کا ایک انمول تحفہ "مقتل الحسینؑ" از عقبہ بن سمعان صحابی حضرت سید الشہداء علیہ السلام و غلام حضرت رباب معہ ضمیمہ تقریظ علماء عراق شرح مقتل عقبہ از شہید حسن ایم۔ اے آپ کے پیش نظر ہے۔ ترتیب و تدوین، مقدمہ اور تعارف مورخ و محقق اعظم سرکار علامہ ڈاکٹر سید مجتبےٰ حسن صاحب کامونپوری مدظلہ العالی نے تحریر فرمایا ہے جس کے لئے ہم ان کے صمیم قلب سے سپاس گزار ہیں۔

ہمیں اُمید ہے کہ ہماری یہ پیش کش بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائے گی اور عاشقان امام مظلوم اس کو اپنے اپنے حلقۂ اثر میں مفت تقسیم کر کے نہ صرف ثواب دارین حاصل کریں گے۔ بلکہ روح معصومہ عالم کو بھی شاد فرمائیں گے۔ مفت تقسیم کے لئے قیمت میں پچاس فی صدی رعایت دی جائے گی۔

والسلام

آنریری جنرل سکریٹری

اگست ۱۹۶۳ء

تعداد چھ ہزار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

محمدؐ و آلِ محمدؐ کے غلاموں کی زندگی پر بحث و نظر کا آغاز

آغازِ اسلام سے صدیوں پہلے سے اقوامِ عالم میں غلام سازی کا رواج چلا آرہا تھا۔ عرب میں بھی یہ رواج عام تھا۔ عرب لونڈی غلام بنانے کے لئے لڑائیوں کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ بجائے اس کے کہ اسلام انسدادِ غلامی کا قانون اچانک پیش کرتا۔ اُس نے نظامِ معیشت، عام معاشرت اور تہذیب و تمدن میں انقلاب پیدا کرنا شروع کر دیا۔ جنگ کے سوا غلام سازی کے کل طریقوں کو ناجائز قرار دیا۔ اور ایسے تدابیر اختیار کئے جن سے رفتہ رفتہ غلامی کا خاتمہ ہو جائے۔ اسلام کے پاس ابتداء میں نہ تو اتنا سرمایہ تھا کہ وہ مالکوں کو غلاموں کی قیمت ادا کر کے اُن کے ساتھ انصاف کرتا۔ اور نہ غلاموں کی معیشت کے لئے اُس کے پاس کافی انتظام تھا۔ دوسری قومیں اسلام سے برسرِ پیکار تھیں غیر مسلم برابر مسلمانوں کو جنگ میں گرفتار کرتے تھے، اور انہیں اپنے رواج کے مطابق غلام بنا لیتے تھے، اسلام کے لئے ضروری تھا کہ وہ جنگجو اقوام کے مقابلہ میں نقصان کا توازن قائم کرنے کے لئے صرف جنگ کے موقع پر غلامی کی اجازت دے۔ اسلام نے جنگ کے علاوہ ہر طرح کی غلامی منسوخ کر دی، اسلام نے غلامی کو صرف ایک جنگی سزا قرار دیا اور یہ سزا بھی عارضی تھی۔ اسلام سے پہلے دنیا کی قومیں غلامی کو انسان کی مستقل صفت سمجھتی تھیں۔ اور انسان کو آزاد و غلام میں

تقسیم کرتی تھیں۔ تمدنی و معاشرتی حقوق آزاد سے مخصوص تھے، غلام آقا کا ایک سرمایہ تھا۔ جس پر اسے ہر طرح کے تصرف کا اختیار تھا۔ رسولِ خدا نے اسلامی جنگوں میں زیادہ تر اسیروں کو معاف کر دیا، یا جرمانہ لے کر چھوڑ دیا۔ بہت کم قیدی غلام بنائے گئے۔ قرآن و حدیث و فقہ میں غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور ان کو آزاد کرانے کی سینکڑوں مقامات پر ہدایت کی گئی ہے۔ اور اسے بہترین عمل قرار دیا۔ اسلام نے غلامی کے قدیم تصور کو بدل کر "برادری" کا درجہ دیا۔ غلاموں کے انسانی حقوق کی طرف توجہ دلائی۔ جہاں تک غلامی کی حیثیت سزا کی ہے۔ غلام و آزاد میں فرق رکھا۔ لیکن معاشرتی و تمدنی حقوق میں آقا و غلام میں کوئی فرق نہیں رکھا۔

غلام آزاد کرانے کی متعدد قہری و لازمی صورتیں نکالیں۔ اکثر گناہوں بلکہ بعض چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی تلافی کے لئے غلام کی آزادی کو کفارہ قرار دیا۔ غلاموں کو ہدایت کی کہ اگر وہ خود اپنی قیمت ادا کر کے آزاد ہونا چاہیں تو سعی کریں۔ اور آقا انھیں آسانی مہیا کریں۔ ایسے قوانین بنائے کہ غلام خود بخود آزاد ہو جائیں۔ غلام آزاد کرنے کے متعلق رسولِ خدا کی حدیث ہے۔ من اعتق مومنا اعتق اللہ بکل عضو منہ عضوا من النار جس نے کسی مومن غلام کو آزاد کیا خدا غلام کے ہر عضو کے عوض میں اس کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد کرے گا۔

آزاد ہونے کے بعد غلام آقا کے خاندانی شرف میں شریک ہوتا تھا۔ اسے اسلام میں ولاء کہتے ہیں۔ اسی کے متعلق ہے الولاء لحمۃ النسب "ولا ایک طرح کی قرابت ہے، حدیث رسول ہے۔ مولی القوم منھم "کسی قوم کا آزاد کردہ غلام اسی کا ایک فرد ہوتا ہے۔ اسلام میں آزادی کے بعد غلام مطلق العنان و با اختیار ہوتا تھا۔ فوج کی قیادت، نماز کی امامت کرتا۔ اندرونی و بیرونی معاملات میں اپنے صواب دید کے مطابق زندگی بسر کرتا۔ اسلام نے غلاموں کی انسانی ترقی، روحانی

فرماتے ہیں کہ :-

(۱) شیخ طوسی[۵] نے اپنے رجال میں عقبہ کو امام حسینؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے

(۲) مشہور مورخین (طبری وغیرہ) نے عقبہ کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

عقبہ جناب رباب کے غلام تھے

(۳) کربلا کا واقعہ جس طرح رونما ہوا۔ عقبہ نے اسی طرح بیان کرنا اپنا شغل بنا لیا تھا

(۴) عقبہ کربلا کے واقعات کے ماخذ اور مصدر ہیں

شیخ طوسی کا اپنے رجال میں یہ تصریح کرنا کہ عقبہ امام حسینؑ کے اصحاب میں شمار ہوتے ہیں۔ اُن کی رشک کے قابل فضیلت ہے ہر شخص کا یہ نصیب کہاں کہ وہ امام کے اصحاب کے زمرہ میں شمار ہو سکے۔ شیخ طوسی یہ نسبت ہمارے عقبہ سے قریب تر تھے انہوں نے قدیم ترین مصادر سے یہ رائے قائم کی شیخ طوسی علم رجال کے بہت بڑے

عہ۵ تنقیح المقال۔ مامقانی ۲۸۹/۲ مطبوعہ عراق ۱۳۵۲ھ مطبع مرتضوی محمد صادق علامہ مامقانی متوفی ۱۳۵۱ھ رجال میں بڑے مرتبہ کے بزرگ تھے، ان کے والد بھی بڑے پایہ کے بزرگ تھے

۱۰۵/۱ تنقیح المقال

عہ۶ شیخ طوسی محمد بن حسن بن علی طوسی ابو جعفر مولود ۳۸۵ھ متوفی ۴۶۰ھ اخبار و رجال و فقہ و اصول و کلام و ادب کے عالم تھے شیخ مفید کے شاگرد تھے ہر فن میں ان کی تصانیف ہیں تہذیب الاحکام کتاب الاستبصار، کتاب النہایۃ، المفصح فی الامامۃ التلخیص کتاب الشافی۔ مختصر المصباح المتکلف الاخلال ب کتاب العدۃ (اصول میں) کتاب الرجال من روی عن النبی و عن الائمہ الاثنا عشر و من تاخر عنہم فہرس کتب الشیعہ۔ کتاب المبسوط (فقہ) کتاب ما یعلل و ما لا یعلل کتاب الجمل والعقود (عبادات) کتاب الایجاز فی الفرائض وغیرہ کے مصنف ہیں مفصل حالات دیکھیئے ۱۱۲/۳ تنقیح المقال تصنیف حضرت علامہ مامقانی

ماہر تھے۔ ان کا عقبہ کو امام کا صحابی کہنا عقبہ کی سینکڑوں خوبیوں کی ضمانت ہے
تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عقبہ کیسے امین تھے۔ امام اکثر ضرورتوں میں ان
کو یاد فرماتے تھے جیسا کہ طبری نے حر کی فوج سے امام کی گفتگو کے ذیل میں لکھا ہے کہ
امام نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا کہ ان لوگوں کے خطوط کے دونوں تھیلے میرے پاس
اٹھا لاؤ یہ مضمون تاریخ کی اور کتابوں میں بھی موجود ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
امام کی نظر میں عقبہ اعتماد کے قابل تھے۔ کیونکہ خطوط وغیرہ ایک رازدار امین کی ہی حفاظت
میں رکھے جا سکتے ہیں اگر امام عقبہ کو بھروسہ کے قابل اور معتبر نہ سمجھتے تو عوام کے پیش رو
لوگوں کے خطوط انہیں سپرد نہ فرماتے

مناقب ابن[1] شہر آشوب میں اس واقعہ کو یوں لکھا ہے کہ امام حسینؑ نے عقبہ سے
جو آپ کے اصحاب میں سے تھے یہ ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے خطوں کے دونوں تھیلے
لاؤ علامہ شہر آشوب کی اس صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی عقبہ کو اصحاب کے
زمرے میں شمار کرتے تھے

طبری (۳۴۲) میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک موقع پر حضرت نے سواری ٹھہرائی
اور عقبہ کو اس کے باندھنے کا حکم دیا غرض ان تمام امور سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عقبہ
امام کے مخصوص لوگوں میں سے تھے اور آپ کے اہم معاملات ان سے متعلق رہتے تھے

عقبہ کس طرح زندہ رہے

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جب اہل بیت کے قید کئے جانے کا سلسلہ شروع ہوا تو فوج نے عقبہ کو بھی

---

[1] محمد بن علی بن شہر آشوب متوفی ۵۸۸ھ ثقہ و شاگرد ادیب کتاب الرجال، کتاب فضائل آل ابی طالب مناقب آل ابی طالب، معالم العلماء، تنقیح المقال مامقانی ص ۱۵۷ ج ۲ ہدایۃ الاحباب عباس محمد رضا قمی ص ۷۹

گرفتار کرلیا۔ ابن سعد کا سامنا ہوا تو اس نے پوچھا تم کون ہو؟ عقبہ نے کہا میں حضرت
رباب کا غلام ہوں جس پر ان کو چھوڑ دیا

طبری (۲۶۱/۶) سے اس کی تائید ہوتی ہے، جو ذیل میں درج ہے کہ عمر بن سعد نے
عقبہ بن سمعان کو جو رباب (زوجۂ امام حسینؑ) کے غلام تھے گرفتار کرلیا ابن سعد نے
پوچھا تم کون ہو؟ عقبہ نے کہا میں غلام ہوں جس پر ابن سعد نے ان کو چھوڑ دیا طبری نے
یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ امام کی جماعت میں عقبہ کے سوا کوئی نہ بچا۔ ہاں موقع بن ثمامہ
اسدی گھٹنے ٹیک کر جہاد کر رہے تھے کہ ان کی قوم آگئی اور کہا تمہیں امان ہے ہمارے
ساتھ چلو (اور اپنے ساتھ لے گئے) عقبہ نے رہائی کے بعد نہ تو گوشہ نشینی اختیار کی نہ
اپنے لبوں پر خاموشی کی مہر لگائی اور نہ حکومت کا ساتھ دیا بلکہ کربلا کا واقعہ بیان کرتے
رہتے تھے جس سے واقعہ کے نقوش ابھرے اور راویوں نے ان کے ذریعہ سے کربلا
کے واقعات مرتب کئے

اگر عقبہ کربلا کے میدان میں شہید ہو جاتے تو بے شک ایک بہت بڑے مرتبہ
پر پہنچ جاتے لیکن قدرت نے ان سے کربلا کے واقعات کی اشاعت کے شاندار کام
لئے اور اگرچہ لوہے کی تلوار سے متواتر جہاد کرتے رہے جس طرح کربلا کے
واقعہ سے پہلے وہ امام کے بھروسہ کے آدمی تھے بعد میں بھی وہ وفادار عقیدتمند کی
طرح امام کی خدمت کرتے رہے

عاشورہ کی رات جب امام نے اپنے سب ساتھیوں کو خواہ وہ عزیز تھے یا انصار
آزاد تھے یا غلام جان کی حفاظت کی اجازت دے دی تو عقبہ ان لوگوں میں شامل نہیں ہوئے

ع۵ ابن زیاد نے ان کو زارہ میں بھیج دیا یہ عمان میں ایک مقام ہے یہاں جلا وطن قیدی
بھیجے جاتے تھے۔ موقعہ بن ثمامہ بن اثال اسدی صیداوی کے حالات دیکھو رجال مامقانی

جنہوں نے اس اجازت سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن وہ عاشور کے دن شہید بھی نہیں ہوئے یہاں
یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیوں شہید نہیں ہوئے

اس بحث کا فیصلہ کرنا بہت ہی آسان ہے کیونکہ تمام واقعات کافی روشنی میں سامنے آچکے ہیں کہ عقبہ پر امام کو وثوق تھا وہ امام کی نظر میں معتبر تھے اور امام کی ذاتی خدمت کرتے تھے ______ سربرآوردہ اور معتمد لوگوں کے خطوط بھی عقبہ کے سپرد رہتے تھے آج کل کے زمانہ میں بڑے آدمیوں کے اس قسم کے کام کرنے والے لوگ پرائیویٹ سیکرٹری کہے جاتے ہیں یا کنفیڈنشل کلارک یا پرسنل کلارک یا کیمپ کلارک کہلاتے ہیں جس سے عقبہ کے خدمات کی نوعیت پورے طور پر عیاں ہو جاتی ہے یہ بھی ثابت ہے کہ عقبہ عاشور کی رات کو بھی خدمت انجام دے رہے تھے اور عاشور کے دن بھی امام کی خدمت میں حاضر تھے اور شہادت کے بعد دشمن کی فوج نے انہیں گرفتار بھی کر لیا تھا۔ ان تمام امور کے ساتھ یہ واقعات بھی پورے طور پر ثابت ہیں کہ کربلا کے واقعہ کے بعد عقبہ عمر بھر پوری وفاداری اور دیانتداری کے ساتھ سچی خدمت کا حق ادا کرتے رہے ان واقعات سے خود بخود ثابت ہوتا ہے کہ کسی خاص ضرورت نے عقبہ کو جہاد میں شامل ہونے سے روکا لیکن اس ضرورت کا اظہار نہ تو امام حسینؑ نے فرمایا نہ امام زین العابدینؑ نے اور نہ امام محمد باقرؑ نے اور نہ اہل بیتؑ میں سے کسی اور نے اور نہ خود عقبہ کا بھی کوئی بیان ہمیں نہیں ملا جس میں اس پر کوئی اشارہ ہو۔ واقعات کی بنا پر ہم کامل یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مدینہ سے امام کی ہجرت تک عقبہ کی زندگی واقعہ میں ہے؛ اور ان کا شہید نہ ہونا بھی ایک راز ہے اور خود عقبہ امام حسینؑ کے رازدار اور اسرار کے حافظ و حامل اور نہایت معتبر اور معتمد شخص تھے۔ یہ بالکل صاف ہے۔ کہ حضرت امام حسینؑ، حضرت امام زین العابدینؑ، حضرت امام محمد باقرؑ اور تمام اہل بیت خصوصاً جناب رباب نے نے شکایت کا کوئی حرف اپنی زبان پر جاری نہیں فرمایا اور

اور اگلے علماء نے بھی کبھی کوئی شک و شبہ ظاہر نہیں کیا۔ علماء کے حالات یہ ہیں کہ شیخ طوسی نے عقبہ کو امام حسینؑ کے اصحاب کی صف میں شمار کیا اور شیخ مفید اور ابن طاؤس نے شہیدان کربلا کے ساتھ عقبہ پر سلام بھیجا

علامہ مجلسی بھی اسلام بھیجنے میں شامل ہیں۔ چنانچہ بحارؒ جلد ۲۲ کتاب زیارت میں اعمالؑ کے سلسلہ میں امام حسینؑ اور دوسرے اماموں کی زیارتوں کے بعد یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ پھر زائر شہیدوں کی طرف متوجہ ہوں اور سعید بن عبداللہ، حر بن یزید ریاحی زہیر بن قین، حبیب بن مظاہر، مسلم بن عوسجہ اور عقبہ بن سمعان پر سلام کرے

ان تمام امور سے نہ صرف حقیقت بے نقاب ہوتی بلکہ یہ پورے طور پر ثابت ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر علماء جو دین کے ستون کہے جاتے ہیں عقبہ کی تعریف و توصیف میں تر زبان ہیں، اور ان کی نظر میں عقبہ کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ وہ زیارات میں انہیں شہیدوں میں شامل کرتے ہیں

این سعادت بزور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

صرف اس بات پر اعتراض کہ عقبہ کیوں زندہ رہے غلطی ہے زندگی حب اللہ کے لئے اور موت حب اللہ کے لئے ہو، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے یہ بھی واضح رہے کہ عاشورہ کے دن صرف اکیلے عقبہ زندہ نہیں رہے بلکہ موقع بن ثمامہ جہاد کرنے کے باوجود بھی زندہ رہے اور حسن مثنی نے جہاد بھی کیا اور سخت زخمی بھی ہوئے لیکن پھر بھی زندہ رہ گئے اس لئے عقبہ کا زندہ رہ جانا کوئی قابل اعتراض امر نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عقبہ امام کی طرف سے مامور تھے کہ وہ زندہ رہیں اور شہادت امام اپنا فرض انجام دیں۔

عہ ۲۶ھ شب بکم رجب پانزدہم شعبان

عقبہ بن سمعان کے مقتل کا ماخذ۔ عقبہ بن سمعان کا جو مقتل اس وقت پیش کیا جا رہا ہے اسے عقبہ نے خود ترتیب نہیں دیا اور نہ کبھی کسی نے اسے مقتل کے نام سے یاد کیا ہماری زندگی میں جو اس سلسلے میں انہوں نے بیان کیا ابھی اس تک دسترس نہیں ہوئی ہے یہ ان کی ایک نشست کا بیان ہے جسے راویوں نے ہم تک پہنچایا ہے اور اب ہم نے اس کے مختلف ٹکڑے جمع کر کے اسے مقتل کی شکل دے دی ہے اور اس کا نام مقتل عقبہ بن سمعان رکھا ہے یہ ہمیں تاریخ الرسل والملوک مؤلفہ ابو جعفر محمد ابن جریر طبری^{عٹ} میں ملا ہے جس میں اس کے ٹکڑے دو سندوں سے منقول ہیں یعنی عُقبہ بن سمعان نے (۱) عبد الرحمٰن بن جندب ازدی سے کہا اور (۲) حارث بن کعب والبی سے کہا ان دونوں نے ابو مخنف کو بتایا، ابو مخنف نے ہشام^{عٮ} کو سنایا۔ طبری ہشام سے روایت کرتے ہیں طبری^{عٮ} بڑے مشہور شخص ہیں۔ تفسیر حدیث، فقہ اور تاریخ وغیرہ مختلف علوم میں ان کے تصانیف ہیں۔ انہوں نے اپنی تاریخ کی بناء اسناد پر رکھی ہے ایک واقعہ کو کئی سلسلوں سے بیان کرتے ہیں جن سے تحقیق کرنے والوں کو بحث و نظر میں کافی مدد ملتی ہے۔

اگرچہ اسلامی تاریخ کی ہر مبسوط کتاب میں واقعۂ کربلا کے سلسلہ میں عقبہ کا ذکر عموماً آتا ہے لیکن پھر مورخین اجمال و اختصار کی طرف مائل ہو گئے اور اسناد کے سلسلہ کا رواج جاتا رہا اس لئے دوسرے واقعات کی طرح کربلا کے واقعہ میں بھی اختصار

عٹ ج ۶ مطبوعہ مطبع حسینیہ مصر۔ مطبوعہ یورپ ص ۲۳۲ و ص ۲۳۳ و ص ۲۷۶ و ص ۳۰۶ و ص ۳۱۴

عٮ ہشام بن محمد کلبی نے ایک کتاب مقتل الحسین تیار کی تھی۔

عٮ مولود ۲۲۴ھ متوفی ۳۱۰ھ

نظر آنے لگا اور طبری کے سوا کسی دوسری تالیفت میں عقبہ کا اتنا مفصل بیان نہیں ملتا
جو کربلا کے حادثہ کے آغاز اور انجام پر حاوی ہو۔ غرض عقبہ کے مقتل کا سبب سے
بڑا حصہ صرف طبری ہی کے ذریعہ سے ہمیں ملتا ہے اور دوسرے مورخین عقبہ کا اتنا
مفصل بیان نہیں ملتا جو کربلا کے حادثہ کے آغاز اور انجام پر حاوی ہو غرض عقبہ
کے مقتل کے خاص خاص حصے کہیں کہیں نقل کیا کرتے ہیں چنانچہ شیخ مفید علیہ
الرحمہ نے اپنی کتاب ارشادؔ میں امام حسینؑ کا خواب عقبہ ہی کی زبانی نقل فرمایا ہے
اس سلسلہ میں طبری اور شیخ مفید نے عقبہ کا جو بیان نقل کیا ہے اگرچہ اس میں نہیں کہیں
اختلاف بھی ہے مثلاً بعض جملے طبری کے یہاں نہیں بلکہ شیخ کے یہاں موجود ہیں اور
بعض شیخ مفید کے یہاں موجود نہیں ہیں لیکن طبری کے یہاں ہیں تاہم اختلافات کی
توجیہہ کئی معمولی طریقوں پر کی جا سکتی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں
نے عقبہ کے مقتل کو جن نسخوں سے نقل کیا ہے ان کا سلسلہ سند جدا جدا ہو گا

ایک بے اصل افسانہ کی تاریخی تنقید

تاریخی طبری میں ایک واقعہ یہ درج ہے کہ امام جب تنعیم پہ پہنچے تو
انہیں ایک قافلہ ملا جو یمن کے گورنر بیسان کی طرف سے یزید کے پاس ورس (ایک
جڑی بوٹی) اور کپڑے لئے جا رہا تھا جس کو امام حسینؑ نے روک لیا۔ پھر ساربانوں
سے کہا کہ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ ہمارے ساتھ عراق چلے تو ہم اس کو کرایہ دیں گے
اور اچھا برتاؤ کریں گے۔ لیکن مجبوری کوئی نہیں
ظاہر ہے کہ سارا واقعہ نہایت غیر معقول ہے اور معاملہ دو صورتوں سے خالی نہیں
(۱) یا تو اسلام کے کسی دشمن نے خود طبری کی کتاب میں تحریف کی اور عبارت بڑھا دی

عہ ص ۲۳۷ مطبوعہ ایران ۱۳۰۸ھ

(۴) یا طبری نے جس کتاب سے نقل کیا اس کتاب میں کسی نے تحریف کی اور یہ مضمون بڑھا دیا اور اتفاق سے وہی کتاب طبری کو مل گئی جس نے من وعن نقل کر دی اس لیے یہ بیاد روایت سے بد خواہ کا مطلب یہ ہے کہ امام حسین نے وہ اونٹ لے کر یزید پر زیادتی کی جس کے سبب سے یزید نے امام حسینؑ پر چڑھائی کر دی اور انہیں قتل کر دیا اور یزید کو ایسا کرنے کا حق حاصل ہو گیا تھا لیکن اس بہتان کے اضافہ و الحاق کرنے والے کی کوشش یونہی اکارت گئی اور معاملہ "مدعی سست گواہ چست" کا مصداق ہو کر ناکام رہ گیا اس بہتان میں اگر کچھ بھی حقیقت ہوتی تو امام کے دشمن آپ کے قتل کو جائز ثابت کرنے کے لئے ضرور اس کی آڑ لیتے لیکن امام کے قاتل شمر نے کبھی بھی یہ وجہ بیان نہیں کی اور نہ جنگ کے سپہ سالار عمر سعد نے، اور نہ کوفہ کے گورنر ابن زیاد نے اور نہ خود یزید نے بلکہ اس کے برخلاف یزید نے حسینؑ کے قتل کی ذمہ داری ابن زیاد پر ڈالنا شروع کر دی تھی۔ اور اس کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا تھا۔ اگر ان سب لوگوں قطع نظر بھی کر لیا جائے تو بھی ۱۳ سو برس کے عرصہ میں کسی ایک دشمن نے اس واقعہ پر اعتراض نہیں کیا اور نہ یہ حوصلہ ہو سکا کہ اس واقعہ سے کوئی استدلال کر سکے۔

یہ امر نہایت وثوق کے ساتھ ثابت ہے کہ عاشور کے دن تمام یزیدی فوج کے سامنے امام حسینؑ نے نہایت وضاحت سے بیان کیا کہ تم مجھ سے کس بات کا بدلہ چاہتے ہو؟[عہ] آیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے یا کسی کا مال لے لیا ہے یا کسی کو زخمی کیا ہے اور تکلیف پہنچائی ہے؟ لیکن فوج میں سناٹا تھا۔ کسی شخص نے کوئی جواب نہیں اور نہ زیر بحث بہتان لگانے کا بھی حوصلہ نہیں کیا۔ اگر کوئی معاملہ ہوتا تو ہزاروں لاکھوں میں سے کیا کوئی ایک بھی نہ کہتا کہ آپ نے

عہ ارشاد شیخ مفید صفحہ ۲۴۵ مولود ۳۳۶ھ متوفی ۴۱۳ھ شیخ کے مفصل حالات دیکھو تنقیح المقال صفحہ ۱۸۰ و طبری ۲۴۳ مطبوعہ مصر

یزید کو نقصان پہنچایا اور جنگ کی ابتدا کی اور تمام ذمہ داری آپ پر ہے

لکھنے والے کے چند جعلی الفاظ تو ضرور لکھ دیئے لیکن اُس کو یہ بھی تو بتانا چاہیئے کہ حج سے ایک ماہ بعد کربلا کا واقعہ ہوا اور اس عرصہ میں زیر بحث واقعہ کی اطلاع یزید کے کتنی دیر میں پہنچ سکتی تھی۔ اور کب پہنچی اور یزید نے بدلہ لینے کی کب ٹھان لی اور کب احکام جاری کئے اور کب وہ احکام کوفہ میں پہنچے۔ ظاہر ہے کہ ایک ماہ میں یہ تمام باتیں کسی طرح نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ جب یزید کی فوج اہل حرم کو قید کر کے لے گئی تو اس کو دمشق جانے کے لئے ساڑھے چودہ سو میل کا سفر طے کرنا پڑا تھا۔ اس کے علاوہ تاریخ کے اس مسلمہ اور متفقہ واقعہ کو کس طرح مٹا دیا جائے گا کہ یزید نے خلافت کا تخت سنبھالتے ہی مدینہ کے گورنر ولید کو یہ لکھا کہ حسین سے بیعت لی جائے یا قتل کیا جائے جس سے معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ اور کوئی دوسرا واقعہ قتل کا سبب نہیں ہے اور جو نیا واقعہ بنایا جا رہا ہے وہ جھوٹ ہے

اس واقعہ میں جو بہتانِ عظیم تراشا گیا ہے اس کے بہت سے چھوٹے چھوٹے پہلوؤں پر بھی اگر غور کیا جائے تو تمام اصلیت خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ کامل یقین ہو جاتا ہے کہ ایک معدوم شے کو موجود ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے مثلاً غور فرمایئے کہ امام حسین کو اونٹوں کی کیا ضرورت تھی اور اگر ضرورت تھی تو کتنے اونٹوں کی چنانچہ یہ امر بالکل صاف ہے کہ امام حسینؑ کو اونٹوں کی کوئی بھی ضرورت نہیں تھی کیونکہ آپ مکہ سے اپنا سفر شروع نہیں کر رہے بلکہ آپ تو مدینہ سے مکہ میں آئے تھے۔ اور ہر قسم کا پورا سامانِ سفر آپ کے ساتھ موجود تھا۔ یعنی آپ کو مطلق کوئی ضرورت ہی نہ تھی

اس حکایت میں یہ عجیب مہمل بات ہے کہ کچھ اونٹ والے عراق جانے کو تیار ہو گئے اور بعض نے انکار کر دیا۔ لیکن یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ کتنے اونٹ والے کرایہ

پر چلنے کو تیار ہو گئے اور کتنوں نے انکار کر دیا۔ آخر کسی محدود تعداد کی ضرورت ہو سکتی ہے نہ کہ بے حد و بے شمار اگر اونٹ والے فی الواقع آزاد تھے۔ اور انہیں کوئی بھی مجبوری نہیں تھی تو یہ واقعہ محض غلط ہے کہ انہیں روکا گیا تھا اور اگر انہیں روکا گیا تھا تو پھر یہ ناقابل تسلیم ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مالک و مختار تھے۔

مان لیجئے کہ بار برداری وغیرہ کے لئے کچھ اونٹوں کی ضرورت ہی تھی تو اس کا انتظام مکہ سے چلنے سے پہلے ہونا چاہیئے تھا نہ کہ راستے میں کرنا چاہیئے تھا۔ کون شخص یہ قیاس کر سکتا ہے کہ مکہ سے ضروری سامان و اونٹوں کے بغیر خود بخود چل رہا تھا لیکن راستے میں اس کے لئے اونٹ لئے گئے۔ یعنی ان باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام مضامین ایک دوسرے سے مختلف ہیں

یہ بھی ایک اچنبھا ہے کہ حج کا موقع ہے اور چاروں طرف سے سواریاں آ رہی ہیں اور بکثرت مل سکتی ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ کہا جاتا ہے کہ اونٹ بیجا طور پر لے لئے گئے جو کاروباری نظر سے قطعی طور پر ناقابلِ یقین ہے کیونکہ ایسا کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی اور کرایہ کے اونٹ بکثرت موجود تھے۔ پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ بادشاہ کے لئے سامان جا رہا ہے لیکن کوئی محافظ ساتھ موجود نہیں۔ کیا یہ یقین کے لائق ہے؟ اور سامان جس قدر زیادہ تسلیم کیا جائے اتنے ہی محافظ بھی زیادہ تسلیم کرنا پڑیں گے۔

یہ واقعہ بھی یاد دلانے کے لائق ہے کہ راستے میں یزید کی فوج میں سے حرؑ کا رسالہ ناگہاں ایک دن امام سے آملا اور پھر متواتر ساتھ رہا، یہاں تک کہ سب کربلا میں پہنچ گئے۔ ظاہر ہے کہ راستے میں ہر چیز ان لوگوں کی نظر میں تھی۔ لیکن پھر بھی ان ایک ہزار آدمیوں میں سے کسی نے اونٹوں یا ان کے سامان کی نسبت کچھ بیان نہیں کیا اگر کوئی چیز ہوتی تو یہ ضرور دیکھتے اور اس کی نسبت کچھ بیان کرتے اور یزید

کی فوج کے سپہ سالار کو لازمی طور پر اطلاع دیتے لیکن ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ اور کیسے ہوتی جب کہ کوئی بات تھی ہی نہیں

یہ واقعہ تنعیم کے متعلق ظاہر کیا گیا ہے اس لئے یہ بیان کرنا لازمی ہے کہ تنعیم کہاں ہے اور کیا چیز ہے؟ چنانچہ نووی نے اپنی مشہور کتاب میں لکھا ہے کہ تنعیم مکہ معظمہ سے صرف تین چار میل[۵] پر ایک مقام ہے۔ اور یہ تو بہت سی کتابوں میں لکھا ہے اور لاکھوں حج کرنے والے جانتے ہیں کہ مکہ والوں کے لئے (خواہ ان کا قیام وہاں عارضی ہو یا مستقل) تنعیم میقات کے طور پر مقرر ہے جو شخص بھی مکہ میں داخل ہوتا ہے وہ تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھتا ہے۔ اور وہ شخص خواہ کئی مرتبہ اپنی طرف سے یا دوسروں کی طرف سے عمرہ بجالائے لیکن اس کو ہر مرتبہ تنعیم پر جا کر احرام باندھنا ضروری ہوتا ہے۔ یعنی تنعیم ایک ایسا مقام ہے جس پر پورے سال بھر لوگوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ اور حج کے موسم میں آمد و رفت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ اس کا صحیح اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ اور پھر ایسے مقام میں اور مکہ سے اس قدر قریب کسی کی طرف سے حج کے موسم میں کوئی زیادتی ہونا ہرگز معقول نہیں اور اگر بالفرض ممکن ہو تو کسی طرح چھپ نہیں سکتی۔ لیکن اس وقت وہاں کے حاضرین نے ایسا واقعہ قطعاً بیان نہیں کیا اس کے علاوہ مکہ کی مقامی حکومت خود بھی امام حسینؑ کی مخالف تھی، ایک تو یزید کے حکم کے سبب سے اور دوسرے اس لئے بھی کہ جب امام حسینؑ نے حج کو چھوڑ کے مکہ سے چلا جانا چاہا تو کامل ابن اثیر[۵] کے مطابق اور خود طبری کے موافق حجاز کے گورنر کے آدمی معترض ہوئے جس پر طرفین کے آدمیوں میں کوڑے چلے لیکن امام حسینؑ روانہ ہو گئے۔ تو ان خاص حالات میں یہ کس

عـ۵ تہذیب الاسماء واللغات ج۲ نووی متوفی ۶۷۶ھ مطبوعہ

عـ۵ جلد چہارم مطبوعہ مصر ص۲۱

طرح ممکن تھا کہ امام حسینؑ کے آدمی وہ اونٹ پکڑ لیں جن پر یزید کا سامان جا رہا ہو اور مقامی حکومت کے ہاتھ پہ ہاتھ دھرے چپ چاپ بیٹھی رہے یا حکومت کو معلوم تک نہ ہو جس سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تنعیم پر کوئی بھی واقعہ نہیں ہوا

یہاں پر یہ بیان کر دینا بھی سخت لازمی ہے کہ امام حسینؑ مجبوری کے عالم میں حج کو چھوڑ کے جا رہے تھے۔ ورنہ انہیں مکہ ہی میں قتل کر دیا جاتا تو اس حالت میں آیا امام حسین کے لئے یہ ضروری تھا کہ حرم کی حرمت اور عزت کی حفاظت کی غرض سے مکہ کے حدود سے جلد باہر نکل جائیں۔ یا حضرت راستے میں اونٹوں کے روکنے وغیرہ میں اپنا وقت بے کار ضایع فرما سکتے تھے۔ در درخ گو را حافظہ نباشد کی صحت میں کون کلام کر سکتا ہے۔ اونٹوں کے روکنے کا جب جھوٹا واقعہ بنایا گیا تو یہ بھی کہہ دیا کہ اونٹ والوں کو امام نے آزادی دے دی کہ جس کی مرضی ہو ہمارے ساتھ چلے اور جو چاہے نہ چلے یعنی یہ خود تسلیم کر لیا کہ امام کو اونٹوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی اس لئے کہ اگر ضرورت ہوتی تو اونٹ والوں سے یہ کس طرح فرما سکتے تھے کہ جس کی مرضی ہو چلے اور جو نہ چاہے نہ چلے۔ بلکہ اپنی ضرورت کے لئے ان کی مرضی کے خلاف ان کو ساتھ لینا چاہیئے تھا یا ان کو رضامند کرنے کی ہی کچھ کوشش ثابت ہوتی لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا جس کا یقینی نتیجہ یہ ہے کہ کوئی واقعہ نہیں ہوا، نہ اونٹ روکے گئے، نہ ان کی کوئی ضرورت تھی اور ان کے ساتھ لینے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی گئی

زیر بحث واقعہ کی نوعیت سے ناظرین حیران نہ ہوں کیونکہ اسلام کے مخالفین ایسی ہی کاروائیاں کیا کرتے تھے۔ یا خود مسلمان سہو و غفلت یا بے احتیاطی وکم

عے مقتل ابو مخنف مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۱ھ میں بھی اس جھوٹے پروپیگنڈے کا کسی صورت میں ذکر نہیں۔

نظری یا جماعتی عناد یا طمع یا خوف کی وجہ سے غلطیوں کا سبب ہو جاتے تھے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ جنگ بدر کے سلسلہ میں خود رسول خدا صلعم کی نسبت بھی منافقوں اور ان کے در پردہ دشمنوں کی طرف سے تصنیف کر دیا گیا تھا۔ کہ آپ نے مشرکین قریش کے تجارتی قافلہ پر مسلمانوں کو حملہ کی دعوت دے کر بدر کی لڑائی چھیڑی اور عقیدتمند مسلمان بھی اس فریب میں آگئے خود اسی طبری میں جس میں امام حسین کی طرف زیر بحث واقعہ منسوب ہے۔ رسول خدا کے متعلق یہ بے اصل و ناز یبا عبارت درج ہے:-

قالوا لما سمع رسول الله بابي سفيان مقبلا من الشام ، ندب المسلمين اليهم وقال هذه عير قريش فيها اموالهم، فاخرجوا اليها۔ لعل الله ينفلكموها۔ [۱]

"لوگوں نے کہا ہے کہ جب رسول خدا نے سنا کہ ابو سفیان شام سے آرہا ہے تو مسلمانوں کو بلایا اور فرمایا یہ قریش کا قافلہ آرہا ہے جس میں ان کا مال ہے۔ چلو شاید خدا تم کو اس میں سے مال غنیمت دلوائے"

عام ارباب سیر بلکہ محدثین بھی اس غلطی میں مبتلا ہو گئے جس کے متعلق مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ میں اس کے تصور سے کانپ اٹھتا ہوں [۲]

---

[۱] طبری مطبوعہ یورپ $\frac{1292}{3}$ [۲] سیرۃ النبی ص $\frac{321}{1}$ مولانا شبلی متوفی ۱۳۳۲ھ مطبوعہ ۱۳۳۳ھ عہد جدید کے مسلمان مورخ بھی اس وہم کا شکار ہیں کتاب حیات محمد ڈاکٹر محمد حسین ہیکل، مطبوعہ مصر ص ۲۵۱ ۱۳۵۴ھ میں ایسی عبارت لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) غزوہ بدر کا مقصد کاروان تجارت کو لوٹنا تھا قریش کے حملہ کا دفاع نہ تھا۔ مولانا شبلی نے سیرۃ النبی میں عام مؤرخین و ارباب سیرت و محدثین کی غفلت کے پردہ کو چاک کیا دیکھیے سیرۃ النبی غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر ص $\frac{317}{1}$

پس جب کہ حضرت رسالت مآب ایسے واقعات کی زد میں لائے جاتے رہے تو

تو امام حسینؑ کی نسبت ایسے

واقعات کسی بھی حالت میں تعجب کا سبب نہیں ہو سکتے

تحریف و تصحیف کے اس سانحہ سے کسی شخص کو حیرت میں نہیں آنا چاہیئے۔ یہ کارروائی ہمارے سامنے اس قدر کثرت سے موجود ہے کہ اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب تالیف ہو سکتی ہے لیکن نمونہ کے لیئے یہ عجائب و غرائب کافی ہیں کہ غزوۂ تبوک جو حجۃ الوداع سے پہلے واقع ہوا۔ اس کی نسبت بخاری کے ناسخ نے یہ لکھ دیا کہ حجۃ الوداع کے بعد واقع ہوا اور اسی طرح رسول اللہ کے حجۃ الوداع کے خطبہ میں جو ہزاروں آدمیوں کے سامنے پڑھا گیا تھا حیرت انگیز ابہام و تحریف سے کام لیا گیا

اس امر سے کوئی خاص نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ زیر بحث عبارت عُقبہ کے بیان میں کب بڑھائی گئی یا طبری کی تاریخ میں۔ لیکن چونکہ اس عبارت کا الحاق و اضافہ یقین کی حد تک ثابت ہو چکا۔ اس لئے ہم نے مقتل متن مرتب کیا ہے اس میں سے یہ عبارت حذف کر دی ہے تاکہ اس کتاب کے مطالعہ کرنے والے اس غلطی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ عُقبہ جیسے بالبصیرت شخص نے ایسی بے بنیاد بات بیان کی ہے۔

مقتلِ عُقبہ کا ایک خاص امتیاز

اس مقتل کے متعلق جو آخری بات ہم کہنا چاہتے ہیں وہ اس کے ایک خاص امتیاز کو ظاہر کرتی ہے کہ عُقبہ بن سمعان نے بنی امیہ کے ایک نہایت کثیف پروپیگنڈے کو بے نقاب کیا امام حسینؑ اور ابن سعد سے تنہائی میں جو گفتگو عاشورہ کی رات کو ہوئی تھی چونکہ عوام کو اس کے سننے کا موقع نہیں ملا اس لیئے جس طرح سے ایسے اوقات میں خیالی آرائیاں ہوا کرتی ہیں اس گفتگو کے متعلق بھی ایسی افواہ اڑی کہ جس کا حقیقت سے کوئی بھی رشتہ نہیں تھا۔ افواہ یہ تھی کہ امام حسینؑ نے عمر سعد سے فرمایا کہ میں یزید کے پاس چلنے کو تیار

ہوں۔ اور اسی مضمون کا ایک خط بھی سعد کی طرف سے ابن زیاد کے نام گڑھ لیا گیا
تاکہ مورخین غلطی میں مبتلا ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہاں تک ہوا کہ یہ خط
بعض نے اپنی کتابوں میں بھی درج ہو گیا جن سے اس کے متعلق غفلت کی امید نہ تھی۔
کیونکہ یہ تصور کیا گیا کہ یہ خط و کتابت عمر سعد اور ابن زیاد کے مابین ہے۔ اور امام
حسینؑ اس کے کوئی فریق نہیں ہیں
جس نے کچھ بھی تامل سے امام حسینؑ کے نفسیات کا مطالعہ کیا ہے وہ کسی بحث
اور ثبوت کے بغیر اس بے اصل اتہام کے تسلیم کرنے سے انکار کر دے گا۔ اور تاریخ تو قدم
قدم پر اس کی رد کے لئے دلیلیں فراہم کرتی ہے چنانچہ امام کی شہادت کے بعد جب
یزید عوام خاص کی نظر میں ذلیل ہو گیا اور اسے حکومت کے زوال کا اندیشہ ہوا تو وہ ابن
زیاد کو مجرم قرار دینے لگا اور اپنی بے تعلقی کا اظہار کرنے لگا۔ اور اس نے یہاں تک کہا کہ
اللہ ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر لعنت کرے جس نے امام حسینؑ کو قتل ہو جانے پر مجبور کیا
حسین نے چاہا تھا کہ کسی دوسرے ملک میں یا سرحدی مقامات پر چلے جائیں لیکن ابن زیاد
راضی نہ ہوا"[۱]

اس بیان میں یزید نے یہ نہیں کہا کہ امام حسینؑ میری بیعت کیلئے آمادہ ہو گئے تھے طبری
نے زیر بحث واقعہ کے متعلق متعدد اسناد سے کئی بیان نقل کئے ہیں جن میں سے پہلا یہ ہے[۲]
(۱) ابو مخنف نے مجالد بن سعید[۳] اور صقعب بن زہیر ازدی کے حوالہ سے بیان کیا کہ امام
حسین نے یزید کی فوج کے سامنے تین باتیں پیش فرمائیں۔
۱۔ میں مدینہ واپس جاؤں

---

[۱] تذکرہ خواص الائمہ ابن الجوزی ص ۱۴۸   نوٹ: [۳] وللعہ و صہ ۲۶ پر
[۲] حدیث طبری ص ۲۲۵ ج ۴ مصر

۲- اپنا معاملہ یزید کے سپرد کر دوں

۳- یا مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیج دیا جاؤں

(۲) ——— دوسرا سلسلہ ابو جناب اور ہانی بن ثبیت حضرمی کا ہے۔ ابو مخنف نے کہا کہ مجھ سے ابو جناب نے بیان کیا اور ان کو یہ خبر ہانی بن ثبیت سے پہنچی کہ امام اور ابن سعد سے رات کو تنہائی میں جو باتیں ہوئیں ان کا کسی کو علم نہیں ہوا لیکن بغیر سنے ہوئے لوگوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت نے فرمایا ہم تم فوج کو اسی جگہ چھوڑ دیں اور یزید کے پاس چلیں لیکن ابن سعد نے اپنی ہلاکت کا اندیشہ ظاہر کیا اور یہ تجویز منظور نہیں کی (طبری ۲۲۵- جلد ص۶)

(۳) تیسرا بیان ابو مخنف نے لفادخق ثقہ مورخ صداقت شعار عقبہ بن سمعان کا نقل کیا ہے جس میں عقبہ نے بڑے زور اور بڑے اہتمام کے ساتھ اس افواہ کی رد کی اور کہا کہ میں امام کے ساتھ رہا مدینہ سے مکہ گیا اور مکہ سے عراق گیا اور حضرت سے کبھی جدا نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ حضرت کی شہادت میرے سامنے واقع ہوئی۔ شہادت کے دن تک لوگوں سے حضرت کی کسی گفتگو کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے

حاشیہ ص۲۵

ع لوط بن یحییٰ بن سعید ابن مخنف کنیت ابو مخنف تھی، مقتل الحسینؑ و کتاب المختار وغیرہ کے مصنف ہیں (ان کے حالات ص۱۳ فہرس شیخ طوسی و نضید الایضاح علم الہدیٰ ابن محمد محسن میں دیکھیے)

ملعہ مجالد بن سعید بن عمیر بن سطام بن ذی مران بن شرحبیل بن ابی ربیعہ بن مرشد بن جشم ہمدانی (ابو عمرہ) کوفی متوفی ۱۴۱ھ ضعیف الحدیث ہے (ص۱۴ تہذیب ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ)

ے مصعب بن زہیر بن عبداللہ بن زہیر بن مسلم ازدی کوفی (ص۲۳۲ تہذیب ابن حجر مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۲۵ھ

نہ مدینہ میں نہ مکہ میں، نہ راستے میں نہ عراق میں اور نہ فوج کے سامنے جیسے میں نے نہ سنا ہو۔ خدا کی قسم جس کا یہ لوگ چرچا کر رہے ہیں حضرت نے کبھی نہیں فرمایا کہ حضرت یزید کی بیعت پر آمادہ ہو گئے اور حضرت نے یہ فرمایا کہ مجھے اسلامی سرحد پر بھیج دو بلکہ حضرت نے فرمایا مجھے جانے دو، میں اس وسیع زمین کہیں چلا جاؤں اور دیکھوں کہ لوگوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔ ابن اثیر نے بھی عوام کی افواہ نقل کر کے عُقبہ کا بیان اس کی رد میں درج کیا ہے۔

علامہ سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے :-

"قلت وقد وقع فی بعض النسخ - ان الحسینؑ قال لعمر بن سعد دعونی امضی الی المدینة - اوالی یزید - فاضع یدی فی یده - ولا یصح ذلک عنه - فان عقبة بن سمعان قال صحبت الحسین من المدینة الی العراق ولم ازل معه الی ان قتل - والله ما سمعته - قال - ذلک"

"میں یہ کہتا ہوں بعض نسخوں میں ہے کہ امام حسینؑ نے عمر بن سعد سے فرمایا - مجھے چھوڑ دو میں مدینہ چلا جاؤں، یزید کے پاس جا کر اس کی بیعت کر لوں لیکن حضرت کی طرف اس قول کی نسبت صحیح نہیں ہے عقبہ بن سمعان نے کہا ہے کہ میں حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے عراق تک رہا اور ان کی شہادت کے وقت تک برابر ساتھ رہا - میں نے حضرت کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سُنا"

اس عبارت میں سبط ابن جوزی جو مسلمانوں میں بڑے مرتبہ کے عالم ہیں اور تفسیر و تاریخ کے بڑے پایہ کے مصنف ہیں بنی امیہ کے پروپیگنڈے کی نفی کرتے ہیں اور عقبہ

ع۵ طبری ج۶ ص۲۳۵ ع۱۵ ابن اثیر ج۴ ص۲۸ مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ ع۶ تذکرۃ خواص الامۃ ص۱۴۱ مطبوعہ ایران ص۲۸۵

بن سمعان کو سند میں پیش کرتے ہیں اور اُن کے بیان کو کامل حجت سمجھتے ہیں۔

اگر تاریخ کا مطالعہ اس نظر سے کیا جائے کہ عقبہ کے اعلان حق نے تاریخ کے عالموں کو کس قدر متاثر کیا تو بڑی تعداد ان کے زیر اثر ملے گی۔ بنی امیہ کی حکومت کے شباب میں جب کہ پیغمبرؐ کے اہل بیت پورے طور پر لُٹ چکے تھے صدق اور حق کے سلسلہ میں تحسین و آفرین اور انعام و اکرام کی کوئی امید نہیں ہو سکتی تھی بلکہ مال، جان اور آبرو کا خطرہ تھا۔

نڈر اور سر فروش عقبہ نے صرف یہی نہیں کہ مختلف مواقع پر واقعات کربلا کو نشر کیا بلکہ اس کے خلاف جو سازشیں کی گئیں اور واقعات کے مسخ کرنے اور صورت بدلنے کی جو تدبیریں ہوئیں ان پر خاص توجہ رکھی اور ان کی رد کرتے رہے اور اصل حقیقت کو پیش کرتے رہے عقبہ کے بیان سے تاریخ کو صحیح روشنی ملی۔ ورنہ دشمن نے اس شد و مد سے پروپیگنڈا شروع کیا تھا کہ غیر تو غیر خود اپنے بھی اس کے دام میں آ سکتے تھے۔ ظلم و جور کے اس زمانہ میں شاعر امام کا مرثیہ نہیں کہہ سکتے تھے۔ جیسا کہ ابوالفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں لکھا ہے کہ بنی امیہ کے ڈر اور خوف سے شاعر امام کا مرثیہ نہیں کہہ سکتے تھے۔ اور جب یہ حالت تھی تو کسی امر کی رد کا حوصلہ کہاں ہو سکتا تھا سوا اس کے کہ عقبہ بن سمعان کی ایمانی قوت نے ان کی مدد کی۔

واقعۂ کربلا کے ابتدائی حالات کا ایک قدیم ترین گرانقدر ماخذ

مقتل عقبہ بن سمعان کا ترجمہ

(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے ہشام بن محمد بن سائب کلبی سے اور ہشام نے ابو مخنف سے اور ابو مخنف نے عبدالرحمٰن بن جندب سے۔ اور عبدالرحمٰن نے عُقبہ بن سمعان سے سُنا۔ عقبہ بن سمعان جناب رباب کلبیہ دختر امرأ القیس زوجۂ امام حسینؑ کے غلام تھے۔ جناب رباب امام حسینؑ کی صغیر سن دختر جناب سکینہ کی والدہ تھیں۔

عُقبہ نے کہا ہم مدینہ سے نکلے اور ہم نے عام شاہراہ کو اختیار کیا اہل بیت نے امام سے کہا کہ اگر عام شاہ راہ کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار فرمائیں جیسا کہ ابن زبیر نے کیا ہے، تو آپ کو کوئی گرفتار نہ کر سکے گا امام نے فرمایا بخدا میں شاہراہ کو نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ قضائے الٰہی جو بہتر سمجھے وہ کرلے

(۲) عُقبہ نے یہ بھی کہا کہ ہمیں عبداللہ بن مطیع ملے چنانچہ عبداللہ نے امام سے عرض کیا (میں آپ پر نثار) کہاں کا قصد ہے؟ فرمایا اس وقت تو میں مکہ جا رہا ہوں آئندہ خدا سے استخارہ کروں گا۔ عبداللہ نے کہا خدا آپ کا بھلا کرے اور ہمیں آپ پر قربان کرے جب آپ مکہ پہنچیں تو کوفہ کے قریب ہرگز نہ جائیں۔ وہ بڑا ہی منحوس شہر ہے۔ وہاں آپ کے باپ قتل ہوئے۔ بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا اور ان پر ایسا حملہ کیا گیا جو مہلک ہو سکتا تھا آپ عرب کے سردار ہیں، حرم میں قیام کیجیے۔ اہل حجاز آپ کے ہوتے ہوئے کسی طرف رخ نہ کریں گے۔ ہر طرف سے لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ حرم کو نہ چھوڑیں

(میرے ماموں اور چچا آپ پر نثار) خدا کی قسم اگر آپ ہلاک کر دیئے گئے تو آپ
کے بعد ہم غلام بنا لیے جائیں گے

(۳) حضرت مکہ آئے۔ اہل مکہ آپ کے پاس آنے جانے لگے جن میں عمرہ بجا لانے
والے بھی شامل تھے اور ہر طرف کے لوگوں نے بھی آنا شروع کیا۔ ابن زبیر کعبہ میں دن
بھر نماز اور وظائف میں گزارتے تھے مگر امام حسینؑ کے پاس دو دن تک متواتر
یا ایک دن ناغہ کر کے آتے تھے اور انہیں مشورہ دیتے تھے حالانکہ امام کی
موجودگی ابن زبیر پر نہایت شاق تھی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب تک امام
مکہ میں ہیں میری بیعت کوئی نہیں کرے گا۔ اور نہ کوئی شخص اطاعت کرے گا
اور سب کی نگاہ میں میری نسبت امام کی عظمت زیادہ ہے اور لوگ میری نسبت
امام کی بیعت کے زیادہ خواہشمند ہیں

(۴) جب کوفہ میں (امیر) معاویہ کی وفات کی خبر آئی تو عراق والوں نے
یزید کے متعلق چہ میگوئیاں شروع کیں اور کہنے لگے کہ حسینؑ ابن علی اور ابن زبیر
نے بیعت نہیں کی بلکہ دونوں مکہ چلے گئے اس وقت کوفہ کا گورنر نعمان بن بشیر تھا اس
کی حکومت کے زمانہ میں کوفیوں نے امام حسینؑ کو خط لکھے

عقبہ نے بیان کیا کہ امام نے جب کوفہ کی روانگی کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن
عباس حضرت کے پاس آئے اور کہا کہ عام افواہ ہے کہ آپ عراق جا رہے ہیں
فرمائیے آپ کا کیا قصد ہے۔ امام نے فرمایا میں نے انشاءاللہ کل یا پرسوں
کسی ایک دن جانے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ ابن عباس نے کہا میں آپ کو اس
ارادہ سے خدا کی پناہ میں دیتا ہوں مجھے یہ بتلائیے کہ کیا آپ ایسی قوم کے پاس
جا رہے ہیں جس نے اپنے حاکم کو قتل کر دیا ہے اپنے وطن پر قابو پا لیا ہے اور دشمن
کو نکال دیا ہے۔ اگر وہ ایسا کر چکے ہیں تو آپ شوق سے جائیے اور اگر ان کا حاکم

اُن پر مسلط ہے اور عمال ٹیکس وصول کر رہے ہیں اور اس حالت میں انہوں نے آپ کو اپنے پاس بلایا ہے تو آپ کو جنگ کے لئے بلایا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کو دھوکا دیں گے اور آپ سے جنگ کریں گے۔ امام نے فرمایا: "میں خدا سے استخارہ کروں گا اور دیکھوں گا کیا ہوتا ہے" اس کے بعد ابن عباس چلے گئے

(۶) ابن عباس کے بعد ابن زبیر حضرت کے پاس آئے کچھ باتیں کیں اور کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم نے بنی امیہ سے کیوں چشم پوشی کر رکھی ہے حالانکہ ہم لوگ مہاجرین کی اولاد میں سے ہیں اور اسلام کے حاکم ہیں۔ بنی امیہ کو حکومت کا حق کب ہے۔ فرمائیے کہ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ امام نے فرمایا بخدا میرا دل کوفہ میں جانے کو کہتا ہے۔ میرے دوستوں اور کوفہ کے اشراف نے مجھے خط لکھے ہیں میں اس امر میں خدا سے استخارہ بھی کروں گا۔ ابن زبیر نے کہا کہ اگر کوفہ میں میرے احباب ایسے ہوتے جیسے آپ کے ہیں تو میں اس سے منہ نہ موڑتا۔ پھر ابن زبیر کو اندیشہ ہوا کہ اس رائے میں امام ان پر خود غرضی کا الزام لگائیں گے اس لئے فوراً ہی کہا کہ اگر آپ حجاز میں رہنا چاہیں اور یہاں رہ کر حکومت کرنا چاہیں تو انشاء اللہ آپ کی مخالفت نہ ہوگی اس کے بعد ابن زبیر چلے گئے۔ اور امام نے فرمایا کہ ابن زبیر کی دنیا میں سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ میں حجاز سے عراق چلا جاؤں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ میری موجودگی میں ان کی کچھ نہ چلے گی۔ لوگ انہیں میرے برابر نہ سمجھیں گے۔ اس لئے ان کی خواہش یہ ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں اور یہ مقام ان کے لئے خالی ہو جائے

(۷) عقبہ کہتے ہیں کہ اسی دن شام کو یا دوسرے دن صبح کو ابن عباس آئے اور کہا کہ میں صبر کی کوشش کرتا ہوں لیکن مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔ اس سفر میں مجھے آپ کی ہلاکت اور تباہی کا خوف ہے عراق والے غدار ہیں، اُن کے پاس نہ جائیے مکہ

میں رہیئے آپ سید الحجاز ہیں۔ اگر عراق والوں کو جیسا وہ ظاہر کرتے ہیں۔ آپ کی خواہش ہے تو آپ انہیں لکھیں کہ وہ اپنے دشمن کو وہاں سے نکال دیں پھر اس کے بعد آپ ان کے پاس جائیں

(۸) اگر آپ یہاں سے ضرور ہی جانا چاہتے ہیں تو یمن جائیے وہاں قلعے اور گھاٹیاں اور بہت وسیع زمین ہے وہاں آپ کے باپ کے ماننے والے بھی ہیں۔ آپ دشمن سے دور بھی رہیں گے آپ وہاں سے لوگوں کو خط لکھیئے آدمی بھیجئے اپنے داعی پھیلا دیجئے میرا خیال ہے اس طرح بعافیت آپ مقصد حاصل کر لیں گے امام نے فرمایا بخدا میں جانتا ہوں آپ میرے مخلص اور شفیق ہیں لیکن میں نے کوفہ کا سفر طے کر لیا ہے ابن عباس نے کہا اگر آپ جاتے ہی ہیں تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ قتل نہ کر دیئے جائیں جیسے عثمان قتل ہوئے اور ان کی عورتیں اور بچے ان کے قتل کا منظر دیکھ رہے تھے پھر ابن عباس نے کہا۔ آپ حجاز کو خالی کر کے ابن زبیر کی آنکھیں ٹھنڈی کریں گے (یعنی اپنے سفر سے ان کو خوشی کا موقع دیں گے) آج انہیں کوئی بھی نہیں جانتا اور نہ ان کی طرف دیکھتا ہے خدا کی قسم اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں آپ کو بجبر روکوں اور آپ رک جائیں گے تو میں یہ کر گزرتا۔ پھر ابن عباس حضرت کے پاس سے چلے گئے اور عبداللہ بن زبیر کی طرف سے گزرے اور ابن زبیر سے کہا تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں اور یہ کہہ کر اشعار پڑھے (جن کا ترجمہ یہ ہے)

"اے چنڈول کیا کہنا تیرا، فضا تیرے لئے خالی ہے، شوق سے انڈے دے بچے نکال اور انڈے دینے کی جگہ کو خوب زم دُرست کرلے"

عہ یہ مثل پہلے پہل طرفہ بن عبد نے کہی تھی

ان اشعار کے بعد عبداللہ ابن عباس نے ابن زبیر سے کہا :-

"حسینؑ عراق کو جا رہے ہیں، تم اب حجاز میں قدم جماؤ"

(۹) جب امام حسینؑ مکہ سے نکلے تو مکہ کے گورنر عمر بن سعید کے آدمیوں نے جو یحییٰ بن سعید کی سرکردگی میں تھے حضرت کو روکا۔ ان لوگوں نے امام سے کہا کہ واپس ہو جیے آپ کدھر جا رہے ہیں مگر حضرت نے واپسی سے انکار فرمایا اور سفر کو جاری رکھا چنانچہ دونوں جماعتوں میں مقابلہ ہوا اور دونوں طرف سے کوڑے استعمال ہوئے، لیکن امام اور ان کے ساتھی اپنے مقصد کے مطابق سفر کو جاری رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ اس وقت گورنر کے آدمیوں نے پکار کر امام سے کہا (معاذ اللہ) آپ خدا سے نہیں ڈرتے، جماعت سے نکلتے ہیں اور اس امت میں[عـــہ] افتراق اور اختلاف ڈالتے ہیں

اس پر امام نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی :-

(ترجمہ) "میں اپنے عمل کا ذمہ دار ہوں اور تم اپنے عمل کے ذمہ دار ہو۔ تم سے میرے عمل کی باز پرس نہ ہوگی اور میں تمہارے عمل کا ذمہ دار نہیں ہوں (الم یونس)

(۱۰) پھر حضرت تنعیم پہنچے (یہاں پر وہ عبارت حذف کر دی گئی جس میں تحریف ہوئی ہے اور جس پر مناسب جگہ پر کافی بحث ہو چکی اور تمام قرائن کی زبردست شہادت سے ثابت ہو چکا کہ تنعیم پر ہرگز کوئی واقعہ نہیں ہوا)

(۹) امام نے رات کے آخری حصہ میں پانی بھرنے اور پھر کوچ کرنے کا حکم دیا ہم نے حکم کی تعمیل کی جب ہم قصر بنی مقاتل سے آگے بڑھے اور تھوڑی دیر چلے تو امام کی آنکھ لگ گئی۔ پھر انا للہ وانا الیہ راجعون والحمد للہ رب العالمین فرماتے

عـــہ حکومت کے عمال اور وظیفہ خوروں کے علاوہ امام پر آیت افتراق و اختلاف پیدا کرنے کا الزام کبھی کسی نے نہیں لگایا باطل پرستوں نے انبیاء و مصلحین پر ہمیشہ یہ تہمت لگائی

ہوئے بیدار ہوئے اور دو یا تین بار انہیں کلمات کو دہرایا۔ جناب علی بن الحسین (علی اکبر) گھوڑے پر حضرت کی طرف آئے اور انا للہ کہہ کر عرض کیا آپ پر فدا ہوں۔ اس وقت یہ کلمات کیوں ارشاد فرمائے۔ امام نے فرمایا بیٹے میری آنکھ لگ گئی ایک سوار کو دیکھا جو کہہ رہا ہے "یہ لوگ سفر میں مشغول ہیں اور موت ان کے ساتھ جا رہی ہے" میں نے سمجھا کہ ہمیں موت کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت علی اکبر نے کہا خدا آپ کو ہر بلا سے بچائے۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام نے فرمایا۔ اس خدا کی قسم جس کی طرف تمام انسانوں کی بازگشت ہے بے شک ہم حق پر ہیں حضرت علی اکبر نے کہا۔ بابا پھر ہمیں حق پر ہوتے ہوئے موت کی کچھ پرواہ نہیں۔ امام نے فرمایا خدا تمہیں وہ بہتر جزا دے جو ایک باپ کی طرف سے بیٹے کو دیتا ہے

(۱۷) عقبہ کہتے ہیں کہ صبح کے وقت امام سواری سے اتر پڑے، نماز پڑھی اور جلدی سوار ہو گئے۔ اور اپنے اصحاب کے ساتھ بائیں طرف روانہ ہونے لگے اور چاہتے تھے کہ فوج کی گرفت سے اپنے ساتھیوں کو باہر نکال لائیں مگر حُر بڑھ کر انہیں ہانپا کر پیچھے حدود میں لے آتا تھا لیکن جب حُر انہیں سختی کے ساتھ کوفہ کی طرف لے چلنا چاہتا تھا تو یہ سختی کے ساتھ مزاحمت کرتے اور اس کے قابو سے نکل جاتے تھے اسی صورت سے یہ قافلہ چلتا رہا یہاں تک کہ نینوا میں اس جگہ پہنچا جہاں پر امام حسینؑ کا قیام ہوا اس وقت ایک مسلح سوار کاندھے پر کمان رکھے کوفہ کی طرف سے آتا نظر آیا۔ سب رک گئے اور اس کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ پہنچا تو اس نے حُر اور اس کے ساتھیوں کو سلام کیا، اور حسینؑ اور ان کے اصحاب کو سلام نہیں کیا۔ اس نے حُر کو ابنِ زیاد کا خط دیا۔ جس میں لکھا تھا "جہاں میرا خط اور قاصد پہنچے وہیں سے حسینؑ کو سختی کے ساتھ روک لو اور انہیں بے آب و گیاہ زمین پر قیام کے لئے مجبور کر دو اور میں نے اپنے قاصد کو حکم* کے پورا ہونے کی اطلاع نہ حاصل کر لے تمہارے پاس سے جدا نہ ہو۔ والسلام"

*دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ساتھ رہے اور جب تک میرے حکم

(۱۳) جب حرؑ نے یہ خط پڑھا تو امام اور ان کے اصحاب سے کہا کہ امیر عبید اللہ ابن زیاد کا یہ خط ہے۔ اور اس میں مجھے حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو اسی جگہ قیام پر سختی کے ساتھ مجبور کروں اور اس قاصد کو یہ ہدایت کر دی گئی ہے کہ جب تک حکم کی تعمیل نہ ہو مجھ سے الگ نہ ہو۔ یزید بن زیاد بن مہاجر ابو الشعثاء کندی نے ابن زیاد کے قاصد کو دیکھ کر پہچانا اور کہا تم "مالک بن نسیر بدی" ہو۔ اس نے اقرار کیا اور وہ قبیلۂ کندہ سے تھا۔ یزید بن زیاد نے کہا، "خدا تمہیں غارت کرے۔ تم کاہے کے لئے آئے ہو؟" اس نے کہا "کاہے کے لئے آیا ہوں! میں نے اپنے امام کی اطاعت کی ہے اور اپنی بیعت کو پورا کیا ہے" ابو الشعثاء نے کہا "تم نے اپنے خدا کی تو نافرمانی کی اور اپنے امام کی اطاعت کی جس سے اپنے آپ کو ہمیشہ کی ہلاکت میں مبتلا کیا اور ننگ اور عذاب کو اپنے لئے حاصل کیا (قرآن میں ہے کہ کچھ ایسے بھی امام ہیں جو جہنم کی آگ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور قیامت کے دن کوئی ان کا مددگار نہ ہوگا (قصص $\frac{۴۲}{۲۸}$) آخر حرؑ نے ان لوگوں کو اترنے پر مجبور کیا ایسے مقام پر جہاں نہ پانی تھا اور نہ کوئی آبادی ان لوگوں نے کہا ہم کو اس قریہ یعنی نینوا میں اترنے دو یا اس قریہ غاضریہ میں، یا اس تیسرے شفیۃ میں۔ حرؑ نے کہا بخدا مجھ سے یہ ممکن نہیں ہے۔ یہ شخص مجھ پر نگران بنا کے بھیجا گیا ہے۔

(۱۴) زہیر بن قین نے کہا۔ فرزند رسول! ان لوگوں سے جنگ کرنا ہمارے لئے آسان ہے بہ نسبت ان سے جنگ کے جو ان کے بعد آئیں گے۔ یقیناً اس کے بعد اتنی فوجیں آئیں گی جن کے مقابلہ کی ہم کو طاقت نہ ہوگی۔ امام حسینؑ نے فرمایا کہ میں ان سے جنگ میں ابتدا نہیں کرنا چاہتا۔

(۱۵) پھر زہیر بن قین نے کہا کہ چلیئے اس قریہ میں قیام کریں یہ محفوظ بھی ہے اور فرات کے کنارے بھی ہے۔ اگر یہ ہم کو روکیں تو ہم ان سے مقابلہ کریں۔ ان سے مقابلہ بہر حال

بعد والوں کے مقابلہ سے آسان ہوگا۔ امام نے فرمایا گاؤں کون سا ہے جواب ملا دو عقر" [عہ] حضرت نے فرمایا خداوندا میں عقر سے پناہ مانگتا ہوں پھر حضرت نے وہیں قیام کیا۔ اور یہ واقعہ محرم الحرام س۶۱ھ کی دوسری تاریخ پنجشنبہ کے دن کا ہے

(۱۶) دوسرے دن عمر بن سعد بن ابی وقاص کوفہ سے چار ہزار [عہ] فوج کے ساتھ آگیا ابن سعد کے امام حسین جنگ کے لئے آنے کا سبب یہ تھا کہ ابن زیاد نے اس کو اہل کوفہ کے ساتھ اس لئے جانے پر مامور کیا تھا جہاں دیلم والوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ ابن زیاد نے ملک رے کی حکومت کا پروانہ بھی اسے لکھ دیا تھا اور وہاں جانے کا حکم دیا تھا۔ وہ اس فوج کو لے کر حمام اعین میں جا کر ٹھہرا ہوا تھا۔ کہ امام حسین سے جنگ در پیش ہو گئی ابن زیاد نے اس کو بلایا اور کہا تم پہلے حسینؑ سے جنگ کے لئے

عہ فوج یزید کا شمار تیئیس ہزار سے ایک لاکھ تک معلوم ہوتا ہے حضرت صادق آل محمدؐ سے امام پر حملہ کرنے والوں کی تعداد تیئیس ہزار مروی ہے۔ علامہ ابن طاؤس کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں امام کے حملہ سے تیس ہزار فوج ٹڈی کی طرح بھاگتی تھی امام حسین کے رجز سے بھی فوج کی کثرت معلوم ہوتی ہے (ابن سعد قدرمانی عنوقام) بجنود کوکوف الہاطلین۔ مطالب السئول ابن طلحہ شافعی میں ۲۲ ہزار بعض کتابوں میں ۹ ہزار ابن سعد کے ساتھ دو ہزار یزید بن رکاب کلبی کے ساتھ چار ہزار حصین بن تمیم سکونی کے ساتھ تین ہزار مازنی کے ساتھ دو ہزار نصر بن حلان کے ساتھ اس طرح تیس ہزار فوج ہوئی ابن شہر آشوب نے صرف امام کے ساتھ سے مقتولین کی تعداد ایک ہزار نو سو پچاس لکھی صرف تیر انداز چار ہزار تھے۔ شہدائے کربلا نے چار ہزار سے زیادہ آدمی قتل کئے۔ عقبہ نے فوج کی وہ تعداد بتائی ہے جو ابتدا میں ابن سعد کے ساتھ آئی اس کے بعد فوج میں اضافہ ہوتا رہا۔ عہ ارشاد میں یہ نہیں

جاؤ۔ جب اس سے فراغت ہو جائے گی تو پھر اپنے کام پر جانا۔ عمر سعد نے کہا کہ اگر مناسب سمجھیے اور مجھے معاف فرما دیجیے تو بہتر ہے۔ ابن زیاد نے کہا ہاں یہ اس وقت ممکن ہے کہ جب تم رے کی حکومت کا پروانہ ہمیں واپس کر دو۔ جب یہ سنا تو عمر سعد نے کہا کہ اچھا مجھے ایک دن کی مہلت دیجیے کہ میں غور کر لوں عمر سعد نے واپس آکر جس سے بھی مشورہ کیا اس نے منع کیا حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ جو اس کا بھانجا تھا آیا اور کہا کہ میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ حسینؑ سے جنگ کے لئے نہ جائیں خدا کے یہاں بھی گنہگار ہوں گے اور حق قرابت کے خلاف بھی ہو گا۔ بخدا تمام دنیا کا مال و حشم اور سلطنت آپ کے ہاتھ سے نکل جائے تو اس سے بہتر ہے کہ آپ خون حسینؑ کا بار لیے ہوئے دنیا سے جائیں عمر سعد نے کہا جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی کروں گا۔ لیکن عمر سعد نے جو کچھ کیا وہ ظاہر ہے (کاموں پوری)

(۱۷) عقبہ کہتے ہیں کہ جب امام حسینؑ مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے اور مکہ سے پھر عراق میں برابر ساتھ رہا اور آخر وقت تک آپ سے جدا نہیں ہوا اور آپ نے مدینہ مکہ، راستہ، عراق میں یا دشمن کی فوج سے جو بھی گفتگو کی اس کا ایک ایک لفظ میں نے سنا جو لوگ آپس میں یہ چرچا کرتے ہیں اور غلط گمان کرتے ہیں کہ آپ اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دینے پر راضی ہو گئے تھے بخدا امام حسینؑ کبھی بھی اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور نہ اس پر تیار ہوئے کہ آپ کسی سرحد پر بھیج دیے جائیں بے شک آپ نے یہ فرمایا تھا کہ مجھے چھوڑ دو میں خدا کی اس وسیع زمین میں کہیں چلا جاؤں۔ پھر دیکھا جائے گا کہ مسلمانوں کا انجام کیا ہونا ہے۔ ۔۔۔۔۔

عــہ عمر سعد پر ہماری مفصل کتاب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقتل عقبہ بن سمعان

(جمعہ و دونہ السید مجتبیٰ حسن الکاموں پوری الهندی)

(۱) عن ابی جعفر محمد بن جریر الطبریؒ عن ھشام بن محمد عن ابی مخنف، قال حدثنی عبد الرحمٰن بن جندب، قال حدثنی عقبہ بن سمعان (مولی الرباب بنت امرء القیس الکلبیة امرأة الحسین وکانت مع سکینة ابنة حسینؑ وھو مولی لابیھا وھی اذ ذاک صغیرة) قال خرجنا فلزمنا الطریق الاعظم. فقال للحسین اھل بیتہ لو تنکبت الطریق الاعظم کما فعل ابن الزبیر. لا یلحقک الطلب. قال لا واللہ لا افارقہ حتی یقضی اللہ ما ھو احب الیہ۔

(۲) قال فاستقبلنا عبد اللہ بن مطیع، فقال للحسینؑ جعلت فداک این ترید۔ قال اما الآن فانی ارید مکة۔ واما بعدھا فانی استخیر اللہ۔ قال خار اللہ لک۔ وجعلنا فداک۔ فاذا انت اتیت مکة فایاک ان تقرب الکوفة۔ فانھا بلدة مشومة۔ بھا قتل ابوک وخذل اخوک واغتیل بطعنة کادت تاتی علی نفسہ۔ الزم الحرم۔ فانک سید العرب لا یعدل بک واللہ اھل الحجاز

---

(۱) طبری ص ۲۳۲ مطبوعہ یورپ۔

احداً، وبتدا عى اليك الناس من كل جانب لا تفارقى الحرم فداك عمى وخالى، فوالله لئن هلكت لنسترقن بعدك -

(۳) فاقبل حتى نزل مكة - فاقبل اهلها يختلفون اليه وياتونه ومن كان بها من المعتمرين واهل الآفاق، وابن الزبير بها قد لزم الكعبة - فهو قائم يصلى عندها عامة النهار ويطوف - ويأتى حسينا فيمن ياتيه فياتيه اليومين المتواليين - ويأتيه بين كل يومين مرة - ولا يزال يشير عليه بالرأى وهو اثقل خلق الله على ابن الزبير، قد عرف ان اهل الحجاز لا يبايعونه ولا يتابعونه ابداً ما دام الحسين بالبلد، وان حسينا اعظم فى اعينهم وانفسهم منه واطوع فى الناس منه -

(۴) فلما بلغ اهل الكوفة هلاك معوية ارجف اهل العراق بيزيد - وقالوا قد امتنع حسين وابن الزبير - ولحقا بمكة - فكتب اهل الكوفة الى الحسين - وعليهم النعمان بن بشير -

(۵) قال ابو مخنف وحدثنى الحارث بن كعب الوالبى عن عقبه بن سمعان ان حسينا لما اجمع المسير الى الكوفة اتاه عبد الله بن عباس، فقال يا ابن عم انك قد ارجف الناس انك سائر الى العراق فبين لى ما انت صانع - قال انى قد اجمعت المسير فى احد يومى هذين انشاء الله تعالى - فقال له ابن عباس فانى اعيذك بالله من ذلك - اخبرنى رحمك الله اتسير الى قوم قد قتلوا اميرهم وضبطوا

عــه ۲۷۲ طبری طبع یورپ -

بلادهم - ونفوا عدوهم - فان كانوا قد فعلوا ذلك فسر اليهم وان كانوا انما دعوك اليهم واميرهم عليهم قاهر لهم - وعماله تجبى بلادهم - فانهم انما دعوك الى الحرب والقتال، ولا امن عليك ان يغروك ويكذبوك ويخالفوك ويخذلوك وان يستنفروا اليك - فيكونوا اشد الناس عليك - فقال له الحسین وانی استخیر الله وانظر مایکون - قال فخرج ابن عباس من عنده

(۶) واتاه ابن الزبیر فحدثه ساعة - ثم قال ما ادری ماترکنا هولاء القوم وکفنا عنهم ونحن ابناء المهاجرین وولاة هذا الا مردونهم - خبرنی ما ترید ان تصنع - فقال الحسین واللہ لقد حدثت نفسی باتیان الکوفة ولقد کتب الی شیعتی بها واشرف اهلها واستخیر الله - فقال له ابن الزبیر - اما لوکان لی بها مثل شیعتک ما عدلت بها - قال ثم انه خشی ان یتهمه فقال - اما انک لو اقمت بالحجاز ثم اردت هذا الامر ههنا ماخولف علیک انشاء الله - ثم قام فخرج من عنده - فقال الحسین ها - ان هذا لیس شیئ یوتاه من الدنیا احب الیه من ان اخرج من الحجاز الی العراق - وقد علم انه لیس له من الامر معی شیئ - وان الناس لم یعدلوکا به - فود انی خرجت منها لتخلوله

(۷) قال فلما کان من العشی او من الغد اتی الحسین عبد الله بن العباس - فقال یا ابن عم انی اتصبر ولا اصبر - انی اتخوف علیک فی هذا الوجه الهلاک والاستیصال - ان اهل

العراق قوم غدر[عہ] فلا تقربنهم۔ اقم بهذا البلد فانك سيد اهل الحجاز۔ فان كان اهل العراق يريدونك كما زعموا فاكتب اليهم فليتجوا عدوهم۔ ثم اقدم عليهم۔ فان ابيت الا ان تخرج فسر الى اليمن فان بها حصوناً و شعاباً۔ وهي ارض عريضة طويلة ولابيك بها شيعة وانت عن الناس في عزلة، فتكتب الى الناس وترسل وتبيث دعاتك۔ فاني ارجو ان ياتيك عند ذلك الذي تحب في عافية، فقال له الحسين يا ابن عم اني والله لاعلم انك ناصح مشفق۔ ولكني قد ازمعت على المسير۔ فقال له ابن عباس فان كنت سائراً فلا تسر بنسائك[ک] وصبيتك فوالله اني لخائف ان تقتل كما قتل عثمان ونساءه ينظرون اليه۔ ثم قال ابن عباس لقد اقررت عين ابن الزبير بتخليتك اياه والحجاز، والخروج منها، وهو اليوم لا ينظر اليه احد معك۔ والله الذي لا اله الا هو لو اعلم انك اذا اخذت بشعرك وناصيتك حتى يجتمع علي وعليك الناس اطعتني لفعلت ذلك[عہ]۔ قال ثم خرج ابن عباس من عنده

عہ جمع عندو کفہ بود۔ عہ عقبہ نے امام کا ابن عباس کو جواب نقل نہیں کیا۔ مروج الذہب مسعودی ج۲ مطبوعہ مصر ۱۳۵۷ھ میں ہے کہ امام نے فرمایا۔

"لان اقتل والله بمكان كذا احب الي من ان استحل بمكة"

"واللہ اگر میں فلاں مقام پر قتل ہو جاؤں تو پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ مکہ کی حرمت ضایع ہونے دوں"

بعد شہادت امام ابن عباس امام کا مقصد سفر سمجھے۔ دیکھو مقتل ابن واضح"

فسر لعبد اللہ بن الزبیر ثم قال۔

یا لک من قبرۃ بمعمر — خلا لک الجو فبیضی واصفری

ونقری ما شئت ان تنقری

ھذا الحسینؑ یخرج الی العراق وعلیک بالحجاز

(۹) قال ابو مخنف حدثنی الحارث بن کعب الوالبی عن عقبۃ بن سمعان قال لما خرج الحسینؑ من مکۃ اعترضہ رسل عمرو بن سعید بن العاص علیھم یحیی بن سعید۔ فقالوا لہ انصرف این تذھب فابی علیھم ومضی۔ وتدافع الفریقان فاضطربوا بالسیاط ثم ان الحسینؑ واصحابہ امتنعوا منھم امتناعا قویا۔ ومضی الحسینؑ علی وجھہ فنادوہ یا حسینؑ الا تتقی اللہ تخرج من الجماعۃ وتفرق بین ھذہ الامۃ فتاول حسینؑ قول اللہ عز وجل لی عملی ولکم

ع ناسخ التواریخ ۱۵۷/۶ میں ذیل کے اشعار زیادہ ہیں:-

قد رحل الصیاد عنک فابشری — وقد رفع الفخ فماذا تحذری

لا بد من صیدک یوما فاصبری

ھذا الحسینؑ خارج فابشری — الی العراق راجیا للظفر

تین شعر اول کے طرفہ بن عبد کے ہیں۔ طرفہ نے انھیں بچپنے میں چنڈول کے شکار کے موقع پر پڑھا تھا۔ بعد کے تین شعر جن میں امام حسینؑ کا نام ہے ابن عباسؓ کے معلوم ہوتے ہیں۔ قبرہ کی جمع قنابر ہے مفرد میں الف اور نون نہیں کہتے عوام قنبرہ کہتے ہیں۔ معمر سرسبز جگہ۔ تحذری سے نون قافیہ کی رعایت یا التقائے ساکنین کی وجہ سے محذوف ہے۔ یہ مثل پہلے طرفہ بن عبد نے کہی پھر اس موقع پر بولی جانے لگی جب کوئی اپنی کسی ضرورت کو پورا کرنے پر قادر ہو جائے۔

عملکم۔ انتم بریئون مما اعمل وانا بریٔ مما تعلمون (۴۱ یونس)

(۱۰) قال ثم ان الحسین اقبل حتی مر بالتنعیم (ص۱۱ طبری)

(۱۱) قال ابو مخنف حدثنی عبد الرحمن بن جندب عن عقبة بن سمعان قال لما کان فی آخر اللیل امر الحسین بالاستقاء من الماء ثم امرنا بالرحیل ففعلنا۔ قال فلما ارتحلنا من قصر بنی مقاتل وسرنا ساعة خفق الحسین براسه خفقة ثم انتبه وهو یقول۔ انا لله وانا الیه راجعون والحمد لله رب العالمین قال ففعل ذلك مرتین وثلاثا۔ قال فاقبل الیه ابنه علی ابن الحسین علی فرس له فقال انا لله وانا الیه راجعون والحمد لله رب العالمین۔ یا ابت جعلت فداك مم حمدت الله واسترجعت قال یا بنی انی خفقت براسی خفقة فعن لی فارس علی فرس فقال۔ القوم یسیرون والمنایا تسری۔ الیهم فعلمت انها انفسنا نعیت الینا۔ قال له یا ابت لا اراك الله سوءً السنا علی الحق۔

عہ طبری ص۱۱

عہ طبری ص۳۰۶ مطبوعہ یورپ۔ مطبوعہ مصر ص۱۱۸ ج۶

سہ یہ قصر عین التمر اور شام کے درمیان تھا۔ مقاتل بن حیان کی طرف منسوب تھا قطقطانہ سے قریب واقع تھا۔

لمعہ ناسخ ص۱۵۶ ج۲ میں ہے کہ خراب منزل ثعلبیہ میں دیکھا۔ ثعلبیہ مکہ کے راستے میں ایک منزل ہے۔ اسی جگہ ایک گاؤں تھا۔

قال بلے والذی الیہ مرجع العباد قال یا ابتِ اذاً لا نبالی نموت محقّین۔ فقال لہ جزاک اللہ من ولدٍ خیر ما جزی ولداً عن والدہٖ۔

(۱۲) قال فلما اصبح نزل۔ فصلی الغداۃ۔ ثم عجّل الرکوب، فاخذ یتیاسر باصحابہ یرید ان یفرّقہم۔ فیلتیہ الحر[عہ] بن یزید فیردّہم فیردّہ فجعل اذا ردّہم الی الکوفۃ ردّاً شدیداً امتنعوا علیہ۔ فارتفعوا فلم یزالوا یتسایرون حتی انتہوا الی نینوی المکان الذی نزل بہ الحسینؑ۔ قال فاذا راکب علی نجیب لہ وعلیہ السلاح متنکّب قوسا۔ مقبل من الکوفۃ۔ فوقفوا جمیعا ینتظرونہ۔ فلما انتہی الیہم۔ سلّم علی الحر بن یزید واصحابہ ولم یسلّم علی الحسین واصحابہ فدفع الی الحر کتابا من عبید اللہ بن زیاد۔ فاذا فیہ۔ اما بعد۔ فجعجع بالحسین حین یبلغک کتابی ویقدم علیک رسولی۔ فلا تنزلہ الا بالعراء

عہ۔ حر بن یزید بن ناجیہ بن سعید من بنی ریاح بن یربوع من بنی تمیم۔ الخنیس تمیمی ریاحی وہ ابو علی بھی کہتے ہیں۔ عہ عبید اللہ بن زیاد بن ابیہ۔ عبید اللہ کی دادی سمیہ تھی عبید اللہ بن زیاد کے باپ زیاد کے کئی شخص مدعی ہوئے لیکن سیاست نے اُسے زیاد بن ابی سفیان مشہور کرایا۔ وہ زیاد بن عبید بھی کہلایا۔ عبید اللہ کی دادی سمیہ کسکر کے ایک زمیندار زندہ روز کی کنیز تھی۔ زمیندار بیمار ہوا۔ عرب کے طبیب حارث بن کلدہ ثقفی نے اُس کا علاج کیا، انعام میں سمیہ ملی حارث سے دو بچے پیدا ہوئے ابوبکرہ و نافع۔ پھر حارث نے سمیہ کی شادی غلام عبید سے کر دی جس سے زیاد پیدا ہوا۔ عہد جاہلیت میں ابوسفیان طائف گئے رہتے۔ مریم بنی سلول شراب فروش سے اُس نے عورت کی خواہش کی، سمیہ بلائی گئی۔ حاملہ ہوئی۔ زیاد

(باقی اگلے صفحہ پر)

فی غیر حصن (ارشاد مفید خضر) وعلی غیر ماء وقد امرت رسولی ان یلزمک ولا یفارقک حتی یاتینی بانفاذک امری والسلام

(۱۳) قال فلما قرء الکتاب قال لہم الحر ہذا کتاب الامیر عبید اللہ بن زیاد یامرنی فیہ ان اجعجع[ع] بکم فی المکان الذی یاتینی فیہ کتابہ وہذا رسولہ۔ وقد امرہ ان لا یفارقنی حتی انفذ رایہ، وامرہ، فنظر الی رسول عبید اللہ ابن زیاد یزید[ع] بن زیاد بن المہاصر ابو الشعثاء الکندی ثم البہدی۔ فعن لہ فقال۔ امالک بن النسر البدّای؟ قال نعم۔ وکان احد کندۃ۔ فقال لہ یزید بن زیاد ثکلتک امک ماذا جئت فیہ قال وما جئت فیہ اطعت امامی۔ ووفیت ببیعتی۔ فقال لہ ابو الشعثاء عصیت ربک واطعت امامک فی ہلاک نفسک۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) میں زیاد پیدا ہوا اور زیاد بن عبید کہلایا۔ امیر معویہ نے ۴۴ھ میں زیاد کی چالاکیاں دیکھ کر اپنے نسب سے ملحق کر لیا اُس نے معویہ کی بڑی مدد کی ۵۳ھ میں مر گیا اُس کی اولاد میں مرجانہ عورت سے عبید اللہ و عبد اللہ تھے یزید نے عبید اللہ کو کوفہ و بصرہ کا گورنر بنایا۔ مختار نے اُسے ۶۶ھ میں قتل کیا۔ آل زیاد پر ہماری مفصل کتاب ہے

ع علمائے ادب و تاریخ نے اس لفظ کو خاص اہمیت کے ساتھ نقل کیا ہے زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے الفائق فی غریب اللغۃ میں ابن اثیر متوفی ۶۰۶ھ نے النہایۃ فی غریب الحدیث میں لفظ جعجع بالحسین کے سلسلہ میں اس لفظ کا ذکر کیا ہے۔ جعجاع کے معنی ہیں سخت اور درشت جگہ، یعنی حضرت کو گوناگون پریشانیوں میں مبتلا کرو۔ ع یزید بن زیاد بن مہاصر ابو شعثا کندی بہدلی شہدائے کربلا میں سے ہیں۔ مہاصر ان کے دادا ہیں۔ بعض کتابوں میں مہاجر ہے لیکن یہ کتابت کی غلطی ہے۔

کسبت العار و النار - قال اللہ عزوجل - وجعلنا ھم ائمۃ یدعون الی النار ویوم القیامۃ لاینصرون (پ ۲۰ قصص) فھو امام لک - قال واخذ الحر بن یزید القوم بالنزول فی ذلک المکان علی غیر ماء ولا فی قریۃ فقالوا دعنا ننزل فی ھذہ القریۃ - یعنون نینوی[عہ] او ھذہ القریۃ یعنون الغاضریۃ[عہ] وھذہ الاخری یعنون شفیۃ[سہ] (ارشاد مفید) فقال لہ الحسین دعنا ویحک ننزل فی ھذہ القریۃ - او ھذہ نینوی والغاضریۃ - او ھذہ - یعنی شفیۃ)

(۱۴) فقال لا واللہ ما استطیع ذلک ھذا رجل قد بعث الی عیناً فقال لہ زھیر ابن القین یا ابن رسول اللہ ان قتال ھولاء اھون من قتال من یاتینا من بعدھم (اختلاف یسیر لعبارۃ الارشاد للمفید) فلعمری لیاتینا من بعد من تری مالا قبل لنا بہ - فقال لہ الحسین ع ما کنت لابدءھم بالقتال -

(۱۵) فقال لہ زھیر بن القین سر بنا الی ھذہ القریۃ حتی ننزلھا - فانھا حصینۃ وھی علی شاطی الفرات - فان منعونا قاتلناھم فقتالھم اھون علینا من قتال من یجیئ من بعدھم - فقال لہ الحسین وایۃ قریۃ ھی - قال ھی العقر - فقال الحسین اللھم انی اعوذ بک من العقر (ھذہ العبارۃ لیست فی الارشاد) ثم نزل - وذلک یوم الخمیس وھو الیوم الثانی من المحرم سنہ ۶۱ھ فلما کان من الغد قدم علیھم عمرو بن سعد بن ابی وقاص من الکوفۃ فی اربعۃ

عہ بکسر نون اول وسکون یا و فتح ن ثانی واو کربلا کے قریب ایک قریہ تھا۔ عہ قبیلہ اسد بنی غاضرہ کی طرف منسوب ہے۔ سہ کربلا کے نزدیک قریہ ہے - ولھا من ذکرھا فی المعجم

الاف فی الارشاد۔ فارس) قال وکان سبب خروج ابن سعد الی الحسین علیہ السلام ان عبید اللہ بن زیاد بعثہ علی اربعۃ الاف من اہل الکوفۃ یسیر بہم الی دستبی۔ وکانت الدیلم قد خرجوا الیہا وغلبوا علیہا۔ فکتب الیہ۔ ابن زیاد عہدہ علی "الری" وامرہ بالخروج۔ فخرج معسکرا بالناس "بحمام اعین" فلما کان من امر الحسین ما کان واقبل الی الکوفۃ دعا ابن زیاد عمر بن سعد فقال سر الی الحسین۔ فاذا فرغنا مما بیننا وبینہ سرت الی عملک فقال لہ عمر بن سعد ان رأیت رحمک اللہ ان تعفینی فافعل۔ فقال لہ عبید اللہ نعم علی ان تردّ لنا عہدنا قال فلما قال لہ ذلک قال عمر بن سعد۔ امہلنی الیوم حتی انظر۔ قال فانصرف عمر ستیشر نصحائہ فلم یکن یستشیر احدًا الّا نہاہُ۔ قال وجاء حمزۃ بن المغیرۃ۔ بن شعبۃ۔ وہو ابن اختہ۔ فقال انشدک اللہ یا خال۔ ان تسیر الی الحسین فتاثم بربک وتقطع رحمک فواللہ لان تخرج من دنیاک ومالک وسلطان الارض کلہا لکان لک خیرٌ من ان تلقی اللہ بدم الحسینؑ۔ فقال لہ عمر بن سعد۔ فانی افعل انشاء اللہ۔

(۱۵) قال ابو مخنف حدثنی عبد الرحمن بن جندب عن عقبۃ بن سمعان۔ قال صحبتُ حُسینًا فخرجتُ معہ من المدینۃ الی مکۃ۔ ومن مکۃ الی العراق۔ ولما فارقہ

عـہ طبری ۲۲۰/۶ و ۲۳۲ و ۲۳۳ مطبوعہ مصر

عـہ طبری ۲۳۰/۶ مطبوعہ مصر، مطبوعہ یورپ ۳۱۲

حتی قُتِلَ۔ و لیس من مخاطبته الناس کلمة بالمدینة ولا بمکة ولا فی الطریق ولا بالعراق۔ ولا فی عسکر الی یوم مقتله الا وقد سمعتُها، لا واللہ ماَ اعطاهم ما یتذاکر النَّاسُ وما یزعمون من ان یضع یدہ فی ید یزید بن معویة۔ ولا ان یسیرہ الی ثغر من ثغور المسلمین۔ ولکنه قال دعونی فلاذهب فی هذہ الارض العریضة حتی ننظر ما یصیر امر الناس؏

مقتل عقبہ وغیرہ معروف ترین علماء عراق کی تعریفیں

محقق ملت جعفری حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت آغائے بزرگ طہرانی و حجۃ الاسلام محمد جواد طباطبائی تبریزی و مفکر عراق علامہ عبدالرزاق موسوی مقرم حفظہم اللہ کی تقریظیں

الحمد للہ والصلوٰة والسلام علی سیدنا رسول اللہ وعلی اله المعصومین الباذلین مهجهم لحفظ دین اللہ۔ وبعد۔ فان شهادة الحسین علیه السلام یوم الطف۔ وتضحیة اله واصحابه وسبی اطفاله وعیالاته وقعةٌ تاریخیةٌ الیمةٌ لا یزال صداها برنّ فی العالم الاسلامی۔ ولم یبرح ذکرها یصدع الافئدة ویغشی الانظار ویهیمن علی النفوس، والدعوة الاسلامیة المثل الاعلیٰ لرجال الاصلاح واولی الفکر وقادة النظر ولابدّ لکل

من درس تلك الواقعة المؤلمة من جهتها النفسية من الاعتراف بانها صداق المظاهر الدينية واصوبها لحفظ النواميس الشرعية ولقد سوّرت تلك الواقعة صحائف التاريخ وملأت الاسفار والطوامير بالذكريات الشجية والاعمال الفظيعة التي قام بها اعداءُ رسوله (وسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون)

ولقد اعطى العلماء والمولفون والشعراء والكتاب من الشيعة وغيرهم بل من المسلمين وغيرهم هذه الواقعة المشجية حقّها من التاريخ ومثّلوها اعظم تمثيل واحسنه، وابانوا عظمتها والفرق الواضح بينها وبين سائر الوقائع التاريخية۔

وممن كتب فى ذلك حضرة العلامة الكبير المتتبع المتضلع الشهير المجتهد البارع۔ والمفكر العبقرى الفذ ثقة الاسلام معتمد الخاص والعام السيد مجتبى حسن الكامون پورى الهندى دامت افاداته فقد كتب كتابه هذا فى الحسين عليه السلام بطرز اجتماعي ونمط فلسفى، فتراه يعلل الوقائع و يحللها تحليلا تاريخيا فلسفيا مالوفا لدى الجميع وذلك لان مولفه العلامة من اجلّاء اهل العلم والفضل والادب وسعة الاطلاع والاحاطة بسائر العلوم

الشرقیة واللغات الاجنبیة - وله مولفات عدیدة و
آثارنا فقه مفیدة وکان نیشر الکثیر من الفوائد التی
تجید بها قریحة السلیمة وذهنه اقار یوم کان فی طریقه
الی تحصیل شهادة اسکتوراه فی التاریخ والفلسفة
من جامع الازهر الشریف - وانا نیحی السیّد الجلیل
علی علوهمته ونشکر علی جهاده فی سبیل العلم والادب
ونبتهل الی الحق تعالی شانه ان یزید بن تابیده وتوفیقه
واخر دعوانا ان الحمد لِلّٰہِ رب العالمین)

حررة ببنانی وانا الفقیر الفانی المدعو یا غا بزرگ
الطهرانی - غفر له ولوالدیه فی یوم الاحد الثالث
والعشرین من ذی الحجه سنه احدی وسبعین
وثلثماة والف هجریة علی مهاجرها الاف
الثناء والتحیه

مهر شریف

(۲) فیما کتبه الشیخ الجلیل الثقه العلامة الحجه
الشیخ اقا بزرگ دام تائیده مقرظا لتالیف حضرة
العلامة الفذ السید مجتبی حسن الکامون پوری الهندی
الذی السفه حول واقعة الطف ونهضته شهید العظمة
غنی وکفایة عن کل ثناء واطراء - وانا مسال المبدا ان
یدایم تائیده وتوفیقه وکثر من امثاله لمن له قدم
راسخ فی خدمة الدین وترویج الشرع الشریف
بمحمد واله وانا الاحقر الفانی محمد جواد الطباطبای التبریزی

مهر شریف

(۳) لقد ابدع شیخنا الحجة المحقق الشیخ آغا بزرگ
فی الثنا علی تالیف العلامة المتتبع المتقین السید مجتبی
حسن الکامونپوری الهندی فی نهضة شهید العظمة و
الاباء۔ وقد سد طریق الاطراء بما افاد واجاد ـ
فکان فیه غنی عن تقریض الواصفین۔ فالی المهیمن
سبحانه نبتهل تتابع النظرة الرحیمة لحضرة السید
المؤلف بکل ما یؤیده الدعوة الاحمدیة انه بعباده
لطیف۔

حرره فی ۹ صفر ۱۳۷۲ھ الاقل عبد الرزاق الموسوی
المقرم النجفی

مقتلِ عقبہ بن سمعان علامہ کامون پوری کی روشنی میں

شہادتِ امام حسینؑ کا مقصد

(از جناب شہید احسن صاحب شہید صفی پوری ایم اے)

ہوا کا ہر جھونکا، بارش کا ہر قطرہ، تنویرِ آفتاب کی ہر کرن، غرض کہ کائنات کے ہر ذرہ کی ہر حرکت ایک منظم اور وسیع قانون کا پتہ دیتی ہے۔ ایک ظاہر بیں اور پست نظر انسان کیونکر سمجھ سکتا ہے کہ ہوا کی معمولی سی جنبش کے وقوع میں آنے کے لئے کرۂ ہوائی میں ایک خاص قانون کے ماتحت حالات و ماحول اور تقاضائے وقت کی تبدیلی کی بناء پر کتنا عظیم الشان تغیر پیدا ہوا جس کا مظاہرہ ہوا کے ایک معمولی جھونکے کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اور جب تک انسان قوانینِ فطرت کے دقائق پر اتنا حاوی نہ ہو کہ وہ آثار و قرائن کی بناء پر اُن نازک اور دقیق مسائل کو سمجھ لے جن کا ہوا کے تموّج سے تعلق ہے اس وقت تک کیسے ممکن ہے کہ ہوا کی اس معمولی سی جنبش کے متعلق یہ فیصلہ کیا جائے کہ یہ ہوا کی معمولی حرکت ہے یا کسی آنے والے عظیم الشان اور غیر معمولی طوفان کا پیش خیمہ! اور یہ نظامِ کائنات میں اس ہوا کے جھونکے کا کیا مرتبہ ہے۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو ترتیبِ نظامِ حکمت میں کتنا بڑا اغلاط ہو جاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ یہاں کسی بڑے نتیجہ کے ظہور میں آنے کے لئے ضروری ہے کہ تدریجی طور پر اُس کے لئے

لئے اسباب مہیا ہوں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سلسلہء اسباب کی کوئی کڑی بھی بے ضرورت یا نتیجہ ہوتی ہے۔ اگر نگاہِ حقیقت شناس سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ ہر درمیانی کڑی کے بغیر تکمیل ناممکن ہے اور ہر سبب پچھلے اسباب کا نتیجہ ہے۔

انسان کا مقصدِ حیات بھی ایک نتیجہ ہے جسے اسی عالمِ اسباب میں حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ مقصد جتنا عظیم ہوگا اُسی قدر اُس کے حصول میں تدریجی اسباب کی منزلیں زیادہ طے کرنا پڑیں گی۔ پھر اگر قوانینِ فطرت کے پیشِ نظر تمام منازل کو طے کر لیا گیا تو خیر اور اگر لغزش ہوگئی تو اُس لغزش کا ردِّعمل شروع ہو جاتا ہے جو اسباب ارتقاء کی فراہمی کی رفتار کو نہ صرف کم کر دیتا ہے بلکہ وقتی طور پر تعطل پیدا کر دیتا ہے اور اُس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک تدریجی طور پر اس لغزش کے اثرات ختم نہ ہو جائیں۔

مقصد کی عظمت کیا شے ہے؟ ممکن ہے کوئی کہے کہ دولت و حکومت و اقتدار یا دنیوی مسرتوں کو حاصل کرنا ایک عظیم مقصد ہے جسے ہر اولوالعزم انسان اپنا نصب العین حیات بناتا ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان تمام مقاصد میں انسان کا حد سے بڑھا ہوا جذبۂ خود کامی و نفس پرستی نظر آئے گا۔ جسے "عظیم" نہیں کہا جا سکتا۔ بے شک ایسے انسان پر اُس شخص کو ترجیح حاصل ہے جو اپنے ملک اور اپنی قوم کی دولت مندی آزادی اور مسرت پر ذاتی مفاد کو قربان کر دے۔ اس نقطۂ نظر کے ماتحت عظیم ترین مقصد وہی ہو سکتا ہے جو علم و تمدن کا سرمایۂ مراد ہے یعنی تمام نوعِ انسانی کی خوشحالی، مسرت اور آزادی کا حصول

اگر اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کوئی اپنی ذات اور تمام لوازم ذات کو قربان کر دینا نصب العین حیات بنانے تو اُس سے بڑھ کر عظیم الشان مقصد تصور میں بھی نہیں آسکتا۔

تاریخ انسانیت گواہ ہے کہ اپنی ذات اور اپنی ذات سے وابستہ تمام چیزوں کو یعنی اپنی دولت، اپنی اولاد، اپنی مسرت اور تمام احساسات و جذبات کو مقصدِ حیات کے حصول کی خاطر جس طرح حسینؑ نے وقف کر کے عملی مثال قائم کی اُس کی نظیر نہیں ملتی۔ ضمیر انسانیت اور مذاقِ راستی گواہ ہے کہ نوع انسانی کا مفاد حسینؑ نے جن اُصولوں کے تحفظ میں پایا وہ متمدن انسان کا نقطۂ معراج ہیں

حسین علیہ السّلام

نے اپنا مال لٹا کر بتایا کہ مال و دولت انسان کی کمترین دولت ہے۔ جسے راستی اور سکون ضمیر کی خاطر قربان کر دینا چاہیئے، حسینؑ نے جان دے کر دنیا پر موت اور زندگی کی حقیقت ظاہر کی اور بتایا کہ کس طرح زندگی اور موت دونوں سے یکساں فائدہ اٹھا کر اعلیٰ اصولوں کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ اور جب مر کر اپنا مقصد حاصل کیا جائے۔ تو موت زندگی کی قائم مقام بن جاتی ہے جسے حیاتِ ابدی کہتے ہیں۔ حسینؑ نے اعزا و اقارب کی قربانی دے کر سبق دیا کہ نوع کے مفاد کی خاطر اپنے اعزاء کا خیال کرنا پست نظری ہے، حسینؑ نے حکومتِ جور کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر کے انسان کی ذہنیت کو مذاقِ آزادی عطا کیا۔ حسینؑ نے اپنی مسرتوں کو قربان کر کے بتایا کہ حقیقی مسرت وہ سکون ہے جو ادائے فرض کے بعد انسانی ضمیر محسوس کرتا ہے اور جس پر دنیا کی ہر ناپائدار مسرت کو قربان کر دینا چاہیئے۔ حسینؑ نے اپنے تمام سرمایۂ حیات کو مقصدِ زندگی کی خاطر وقف کر کے دکھا دیا کہ ایک

فرض شناس انسان کس طرح ادائے فرض کے لئے وقف ہو جاتا ہے۔
کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ تقریر کرتے وقت نہایت
پر زور الفاظ میں حسینی کارنامہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ نظم و نثر میں بہت پر شوکت
الفاظ صرف کئے جا سکتے ہیں پھر بھی اعتراف کرنا پڑے گا۔ کہ ہم حقیقت
کی صحیح تصویر کشی نہیں کر سکے۔ پھر جب لفظی تشریح اس وقت اتنی مشکل
ہے جب کہ واقعہ وقوع میں آ چکا ہے۔ تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ
اُس کارنامہ کی عملی تصویر کھینچنا اُس وقت کتنا مشکل تھا۔ جب کوئی نقش
اول بھی رہنمائی کے لئے ایسا موجود نہ تھا۔ جس کی پیروی کی جا سکتی اس کا
تصور بھی مشکل کیا جا سکتا ہے۔

سب سے پہلی دقت جو ایک ایسے انسان کے سامنے درپیش ہو گی
جسے تمام نوع کی بھلائی مقصود ہے یہ ہو گی۔ کہ تمام انسانوں کو کس طرح فائدہ
پہنچایا جائے۔ لیکن جب یہ سوال سامنے آیا کہ فائدہ کس طرح پہنچایا جائے
تو قبل اس کے کہ طریق کار پر غور کیا جائے ضروری ہے کہ ،، فائدہ ،، کی تشریح
کی جائے اگر اس کا مفہوم معین ہو سکے۔ اگر فائدہ کا یہ مفہوم ہو کہ ہر ہر
فرد کے مقاصد پورے ہوں تو یہ قطعاً ناممکن ہے۔ کیونکہ ہر شخص کی خواہشیں
لامحدود ہیں۔ اور پھر خواہشوں میں تضاد بھی ہے۔ مجبوراً تمام نوع کے
مجموعی مفاد پر غور کرنا پڑے گا۔ جس کے نتیجہ میں ہر انسان کی محدود و اعتدال
سے بڑھی ہوئی تمناؤں ناروا آرزوؤں، غیر متوازن حوصلہ مندیوں
غیر معتدل اولوالعزمیوں اور ناقابل حصول مسرتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔
اور محض ممکن العمل لائحہ عمل مرتب کیا جا سکے گا۔ اب اس کے بعد دوسرا
سوال یہ پیدا ہو گا۔ کہ طریق عمل کیا اختیار کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اگر ایک

انسان کسی طرح اس قابل ہو بھی سکے کہ دنیا کی تمام دولت سب انسان میں برابر برابر تقسیم کر دے، اُن فرائض کی پابندیوں کے ساتھ جن کی بنا پر حقوق پیدا ہوتے ہیں سب کو آزادی دے دے اور اُن محدود مسرتوں میں سب کو برابر کا شریک بنا دے جن کا اس دار الانقلاب میں امکان ہے تب بھی ہر گز ہر گز ہر انسان خوش اور مطمئن نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ ظاہر ہے کہ اس طرح ہر ایک کے حصہ میں ہر چیز بہت تھوڑی آئے گی۔ اور ہر شے کا مناسب عوض دینا پڑے گا۔ یعنی دولت تھوڑی ملے گی۔ اور کام قریب قریب اُتنا ہی کرنا پڑے گا۔ جتنا اب کرنا پڑتا ہے۔ آزادی کی وجہ سے جہاں بہت سے حقوق حاصل ہوں گے وہاں ایک فرض شناس شہری کی حیثیت سے قانون کی ناخوشگوار پابندیاں بھی برداشت کرنا پڑیں گی اور مسرتیں بھی بس اُتنی ہی حاصل ہو سکیں گی جتنی اس دار المحن میں حاصل ہو سکتی ہیں۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ موجودہ غیر متوازن نظام میں تو شاید کچھ لوگ بظاہر مسرور نظر بھی آتے ہوں لیکن اُس وقت بہت کم افراد ایسے ہیں گے۔ جو اس عادلانہ نظام سے مطمئن ہوں۔ معلوم ہوا کہ جس شخص کو تمام نوع انسانی کی مسرت، آزادی، خوشحالی اور بہبودی کی فکر ہو اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ انسان کو ان تمام خوشنما خوابوں کی تعبیر بتلائے جو یقیناً اُتنی خوشنما نہیں ہے جتنی لوگوں کو تخیل اور تصور کے آئینہ میں نظر آتی ہے۔ اُس کے لئے لازمی ہے کہ وہ اُس عام ذہنیت میں انقلاب پیدا کرے جس نے حقیقی آزادی اور سچی خوشحالی کو پردۂ دنیا سے نیست و نابود کر دیا ہے اور یہی وہ کام تھا جو حسینؑ نے انجام دیا۔ اگرچہ دنیا کی مصیبتیں لوگوں کی حسین ناشناسی اور بے عملی کی بناء پر ختم نہیں ہوئیں لیکن ماننا پڑے گا کہ حسینؑ محسن انسانیت ہیں۔

اس عظیم الشان مقصد کو پورا کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا حسین کے مقصد کی عظمت کو دیکھیے اور اس کے حصول کے طریق کار کی پیچیدگی اور دقتوں پر نظر ڈالیے۔ ۶۱ھ کا ماحول وہ تھا۔ جب نوخیز اسلامی ذہنیت پر رسوم پارینہ و اخلاقِ دیرینہ کے توہمات حاوی ہو گئے تھے۔ جب چہرۂ نفاق سے اسلام کی نقاب اس قدر اٹھ گئی تھی کہ حدودِ نفاق و کفر میں امتیاز دشوار ہو جاتا ہے۔ جب مزاجِ عدالت پر سیاستِ ظلم غالب آچکی تھی۔ جب حقوقِ آزادی کا پابندِ حکومتِ جور اور اخلاق و عقائد کا تابع اعمال اہلِ فسق ہوتا داخلِ عقیدہ قرار دے دیا گیا تھا۔ پھر یہی نہیں کہ عوام آزادی کے خواہش مند ہوں بلکہ حیوانیت کو انسانیت اور خودساختہ اصولوں کو اسلام کہا جارہا تھا۔ اور لوگ مطمئن تھے۔ اسلام دشمنی اور اہل بیتِ رسول سے عداوت عوام کا مذہب بن گئی تھی۔ حالت یہ تھی کہ "جب امام حسینؑ مکہ سے نکلے تو مکہ کے گورنر عمرو بن سعد کے آدمیوں نے جو یحییٰ بن سعید کی سرکردگی میں تھے حضرت کو روکا۔ ان لوگوں نے امام سے کہا کہ واپس جائیے آپ کدھر جا رہے ہیں۔ مگر حضرت نے واپسی سے انکار فرمایا اور سفر کو جاری رکھا چنانچہ دونوں جماعتوں میں مقابلہ ہوا اور دونوں طرف سے کوڑے استعمال ہوئے لیکن امام اور ان کے ساتھی اپنے مقصد کے مطابق سفر کو جاری رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ اُس وقت گورنر کے آدمیوں نے پکار کر کہا۔ (معاذ اللہ) آپ خدا سے نہیں ڈرتے جماعت سے نکلتے ہیں اور اس امت میں افتراق اور اختلاف ڈالتے ہیں۔ (مقتل عقبہ بن سمعان صد ۳۲)

اور جب مالک بن نسر بدی ابن زیاد کا خط لے کر حرؑ کے پاس آیا تو "یزید بن زیاد بن مہاصر ابوالشعثا کندی نے ابن زیاد کے قاصد

کو دیکھ کر پہچانا اور کہا تم مالک بن نسر بدی ہو۔ اُس نے اقرار کیا اور وہ بھی قبیلہ کندہ سے تھا۔ یزید بن زیاد نے کہا۔ خدا تمہیں غارت کرے تم کاہے کے لیے آئے ہو اُس نے کہا۔ کاہے کے لئے آیا ہوں میں نے اپنے امام کی اطاعت کی ہے اور اپنی بیعت کو پورا کیا ہے۔ ابوالشعثاء نے کہا" تم نے اپنے خدا کی نافرمانی کی اور اپنے امام کی اطاعت کی جس سے اپنے آپ کو ہمیشہ کی ہلاکت میں مبتلا کیا۔ اور ننگ و عذاب کو اپنے لئے حاصل کیا۔ (قرآن میں ہے) کچھ ایسے بھی امام ہیں جو جہنم کی آگ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اور قیامت کے دن ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (قصص ۲۰/۴۱)" (مقتل عقبہ بن سمعان)

اُس وقت امام حسین کو اتنے دشمنوں سے مقابلہ کرنا تھا:۔

(۱) حکومت کا تشدد۔

(۲) حکومت کی دولت کی قوت۔

(۳) عوام کی طاقت

(۴) عوام کے عقائد۔

عام حالات میں بھی جب یہ تمام دقتیں درپیش نہ ہوں ایک ایسے عظیم الشان مقصد کا حصول جس کا تمام نوعِ انسانی کی بہبود سے تعلق ہو دشوار ہے نہ کہ اُس حالت میں جب احول اتنا مخالف اور ناسازگار ہو۔ دنیا ایک بحرِ ناپیداکنار کی طرح ہے جس کی وسعت کو زمانہ کی لامحدود وسعتوں نے اور بھی بڑھا دیا ہے۔ اس میں ایک انسان خواہ اس کا اقتدار کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو نا چاہیے اُس کے عزائم کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں ایک قطرہ کی نسبت رکھتا ہے۔ معلوم نہیں کتنے مظلوم شاید ظلم ہو جاتے ہیں اور کسی کو خبر نہیں ہوئی کہ کیا ہوا۔ معلوم

نہیں کتنے ذی علم، باکمال اور دانا انسان فنا ہو جاتے ہیں اور انہیں کوئی جانتا بھی نہیں ہے کہ اُن کے خیالات کیا تھے اور اگر معلوم بھی ہوتا ہے تو اس کے اثرات بہت محدود ہوتے ہیں جو رفتہ رفتہ استدادِ زمانہ سے فنا ہو جاتے ہیں پھر حسینؑ کو ظاہری اقتدار ہی کون سا حاصل تھا۔ رسولؐ کے اقتدار کے بعد دنیا جانتی ہے کہ اہل بیت اور حضرت علیؑ کا اثر ختم ہو گیا۔ لیکن پھر بھی بہر حال اُن کی زندگی میں اقتدار کے آثار باقی تھے۔ لیکن اُن کے بعد امام حسنؑ کے عہد میں اس اثر میں بھی کمی ہو گئی جس کا نتیجہ آخر میں یہ ہوا۔ کہ امام حسنؑ کا ساتھ سب نے چھوڑ دیا اور امام حسن کے بعد امام حسینؑ کے عہد میں خاندانِ رسول کی جتنی عظمت باعتبار ثروت و اقتدار رہ گئی وہ ظاہر ہے حدیث ہے کہ "مالک بن نسر بدی جب ابن زیاد کا خط لے کر حر کے پاس آیا تو اُس نے حر اور اُس کے ساتھیوں کو سلام کیا اور حسینؑ اور اُن کے اصحاب کو سلام نہیں کیا" (مقتل عقبہ بن سمعان صفحہ ۲۵)

صحیح حالات کا اندازہ لگانا بہت دشوار ہے لیکن تاریخ جس حد تک حالات پر روشنی ڈالتی ہے اس سے دو نتیجے نکلتے ہیں:-

(۱) امام حسین سے زمانہ مخالف تھا۔ حضرت رسالت مآبؐ کے دور ہی میں اسلام کے خلاف فطری طور پر ردِ عمل شروع ہوا لیکن عہد رسول میں اس تحریک کو پنپنے کا موقع نہیں ملا اور بعد۔ دل اس تحریک کو تقویت پہنچی یہاں تک کہ امام حسینؑ کے دور تک دشمنانِ رسول و آلِ رسول کی شام میں نہایت مضبوط حکومت قائم ہو گئی یہ حکومت رسول اور آلِ رسول کے مذہبی اقتدار کو فنا کر دینا چاہتی تھی۔ چونکہ رسول کے خلاف کھلم کھلا اعلانِ بغاوت بتقاضائے سیاست غیر مناسب تھا۔ اس لئے وہ یہ چاہتے تھے۔ کہ رسولؐ کے بعد اُن کا صحیح وارث اپنے آپ کو بتا کر مسلمانوں کو اہل بیت سے اجنبی بنا دیا جائے۔

اور اسی کے ساتھ رفتہ رفتہ رسول کے بنائے ہوئے اُصولوں کو توڑ مروڑ کر اپنے مفاد کے پیش نظر لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ اس طرح گویا اسلام کے خلاف ایک مذہبی ڈھانچہ تیار کیا جا رہا تھا۔ جسے اسلام ہی کے نام سے مشہور کر کے در پردہ تعلیمات رسول کو مٹانے کی کوشش کی جا رہی تھی حکومت نے اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے خزانہ کا منہ کھول دیا۔ امیر شام معاویہ کے عہد ہی سے عوام کی ذہنیت اور بیداری کو دولت دے کر خریدنا شروع کر دیا گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مخالفین پر تشدد آزمائی بھی ہوتی رہی خفیہ حربے بھی دل کھول کر استعمال کیے گئے۔ زہر خورانی کی بے شمار وارداتیں ہوئیں جن میں حکومت کی سازش کار فرما تھی نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عالم اسلامی کا جذبہ انسانیت سرد ہو گیا یہاں تک کہ سب نے یزید کے ایسے فاسق اور کھلم کھلا شریعتِ اسلامی کے دشمن انسان کی بیعت قبول کر لی۔ صرف گنے ہوئے چار آدمی ایسے نظر آتے ہیں جنھوں نے بیعت سے انکار کیا۔ کربلا میں امام حسین سے جو فوج لڑنے آئی تھی وہ کم از کم ۳۰ ہزار افراد پر مشتمل تھی (مقتل عقبہ بن سمعان ص۳۷) اسی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بہت بڑی اکثریت اہل اقتدار کے ساتھ تھی۔ اس مخالفت و عداوت سے امام کے حصول مقصد میں دشواریوں پر روشنی پڑتی ہے۔

(۲) لیکن دوسرا پہلو بھی نظر انداز کر دینے کے قابل نہیں ہے۔ یعنی یہ نہیں ہے کہ امام حسینؑ کی شخصیت بالکل معمولی اور بے اثر ہو اور اُن کا کوئی وقار باقی ہی نہ رہ گیا ہو۔ امام حسینؑ کی شخصیت اتنی بلند تھی۔ اور کردار اتنا اونچا تھا کہ عوام اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ اور عوام تو عوام خود یزید حسینؑ کو اپنے اقتدار کی راہ میں روڑا سمجھ رہا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے

کہ یہ حسینؑ کی شخصیت سے مرعوبیت کا احساس ہی تھا۔ جس نے یزید کو بیعت لینے پر آمادہ کر دیا۔ خواہ امام حسینؑ کی بلند ظرف نگاہ حصولِ اقتدار کی طرف متوجہ بھی نہ ہوتی لیکن اُن چھوٹی طبیعت کے پست انسانوں کو کیونکر خطرہ نہ محسوس کرتا اس لئے کہ یہ ہستیاں وہ تھیں جن کے دشمن بھی ان کے مزاجِ فطرت سے واقف تھے۔ لیکن یزید کا خلیفۂ رسول بن کر اسلامی اصولوں کو مٹانا وہ اصول جن کی تبلیغ امام حسینؑ کی زندگی کا عظیم الشان مقصد تھا۔ کبھی برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یزید جانتا تھا کہ امام حسینؑ کی زندگی کا وجود ہی بقائے اسلام کا ضامن ہے۔ اور امام حسینؑ کا بیعت سے انکار کر دینا ہی اُس کے اقتدار مذہبی کو فنا کر دینے کے لئے کافی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تخت نشین ہوتے ہی اُس نے ولید بن عقبہ حاکم مدینہ کو خط لکھا کہ حسینؑ سے بیعت طلب کرو اور اگر وہ راضی نہ ہوں تو اُن کا سر کاٹ لو۔

امام حسینؑ کی شخصیت ایسی نہیں تھی کہ انہیں بالکل بے کس اور مجبور فرض کر لیا جائے۔ اگر امام حسینؑ بحالتِ مجبوری شہید کر دیئے جاتے تو اُن کے عزم و ارادہ کی کوئی تعریف نہ کی جاتی لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ اگر وہ چاہتے تو دنیوی اقتدار حاصل کر سکتے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عبد اللہ ابن زبیر نے مکہ میں حکومت قائم کر لی پھر کیا امام حسینؑ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ عقبہ بن سمعان کا بیان ہے "۔۔۔ حضرت مکہ آئے۔ اہلِ مکہ آپ کے پاس آنے جانے لگے۔ جن میں عمرہ بجا لانے والے بھی شامل تھے۔ اور ہر طرف کے لوگوں نے بھی آنا شروع کیا۔ ابن زبیر کعبہ میں دن بھر نماز اور طواف میں گذارتے تھے۔ مگر امام حسینؑ کے پاس دو دو دن تک متواتر یا ایک

دن ناغہ کرکے آتے تھے اور اُنہیں مشورہ دیتے تھے۔ حالانکہ امام کی موجودگی ابن زبیر پہ نہایت شاق تھی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب تک امام مکہ میں ہیں میری بیعت کوئی نہیں کرے گا۔ اور نہ کوئی شخص اطاعت کرے گا۔ اور سب کی نگاہ میں میری نسبت امام کی عظمت زیادہ ہے اور لوگ میری نسبت امام کی بیعت کی زیادہ خواہش مند ہیں ۔" (مقتل عقبہ بن سمعان ص۳۴)

"ابن عباس کے بعد ابن زبیر حضرت کے پاس آئے کچھ دیر باتیں کیں۔ اور کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم نے بنی امیہ سے کیوں چشم پوشی کر رکھی ہے حالانکہ ہم لوگ مہاجرین کی اولاد میں سے ہیں اور اسلام کے حاکم ہیں بنی امیہ کو حکومت کا حق کب ہے۔ فرمائیے کہ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ امام نے فرمایا بخدا میرا دل کوفہ جانے کو کہتا ہے۔ میرے دوستوں اور کوفہ کے اشراف نے مجھے خط لکھے ہیں۔ میں اس امر میں خدا سے استخارہ بھی کروں گا۔ ابن زبیر نے کہا اگر کوفہ میں میرے احباب ایسے ہوتے جیسے آپ کے ہیں تو میں اس سے منھ نہ موڑتا۔ پھر ابن زبیر کو اندیشہ ہوا کہ اس رائے میں امام اُن پہ خودغرضی کا الزام لگائیں گے۔ اس لیے خود اُنہی کہا کہ اگر آپ حجاز میں رہنا چاہیں اور یہاں رہ کر حکومت کرنا چاہیں تو انشاء اللہ آپ کی مخالفت نہ ہوگی۔ اس کے بعد ابن زبیر چلے گئے اور امام نے فرمایا کہ ابن زبیر کی دنیا میں سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ میں حجاز سے عراق چلا جاؤں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ میری موجودگی میں اُن کی کچھ نہ چلے گی۔ لوگ اُنہیں میرے برابر نہ سمجھیں گے۔ اس لیے اُن کی خواہش یہ ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں اور یہ مقام اُن کے لیے خالی ہو جائے ۔" (مقتل عقبہ بن سمعان)

"پھر ابن عباس نے کہا۔ (امام سے) آپ حجاز کو خالی کرکے ابن زبیر

کی آنکھیں ٹھنڈی کریں گے۔ یعنی اپنے سفر سے اُن کو خوشی کا موقع دیں گے)
آج اُن پر کوئی آپ کے مقابلہ میں نگاہ بھی نہیں ڈالتا۔ خدا کی قسم اگر مجھے
یقین ہوتا کہ میں آپ کو زنجیر روکوں اور آپ رُک جائیں گے۔ تو میں یہ کر گزرتا
پھر ابن عباس حضرت کے پاس سے چلے گئے۔ اور عبداللہ بن زبیر کی
طرف سے گزرے اور ابن زبیر سے کہا تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور
یہ کہہ کر یہ اشعار پڑھے (جن کا ترجمہ یہ ہے)

"اے چنڈول کیا کہنا ترا، فضا تیرے لیے خالی ہے (شوق سے
انڈے دے بچے نکال اور انڈے دینے کی جگہ کو خوب نرم و درست کرے"
ان اشعار کے بعد عبداللہ ابن عباس نے ابن زبیر سے کہا: "حسینؑ
عراق کو جا رہے ہیں۔ تم اب حجاز میں قدم جماؤ۔" (مقتل عقبہ)

اس کے علاوہ ابن عباس نے جو مشورہ دیا تھا یقیناً اگر امام حسینؑ اُس پر
عمل کرتے تو خطرہ سے محفوظ بھی ہو جاتے۔ اور اقتدار بھی حاصل کر لیتے:۔

"ابن عباس نے امام حسینؑ سے کہا اگر آپ یہاں سے ضرور ہی جانا
چاہتے ہیں تو یمن جائیے وہاں قلعے اور گھاٹیاں اور بہت وسیع زمین ہے
وہاں آپ کے باپ کے ماننے والے بھی ہیں۔ آپ دشمن سے دُور بھی رہیں گے
آپ وہاں سے لوگوں کو خط لکھئے آدمی بھیجئے اپنے داعی پھیلا دیجئے
میرا خیال ہے اس طرح آپ بعافیت مقصد حاصل کر لیں گے۔ امام
نے فرمایا۔ بخدا میں جانتا ہوں آپ میرے مخلص اور شفیق ہیں۔ لیکن میں
نے کوفہ کا سفر طے کر لیا ہے۔ (مقتل عقبہ)

ابن عباس کے بیان کے صحیح اور پُرخلوص ہونے کی خود امام نے تصدیق
کی بلکہ آپ نے قسم کھا کر اُس کی صحت کی توثیق کر دی۔ لہذا اس کے صحیح

ہونے میں ذرا بھی شک نہیں کیا جا سکتا۔

اب ان دونوں نتیجوں کو سامنے رکھیے۔ ایک طرف ماحول کی سختیاں اور حسینؑ کا با اختیار ہونا اور اس کے بعد اُس عظیم الشان مقصد کو سامنے لایئے جس کا حصول امام حسینؑ نے اپنا مقصدِ حیات قرار دیا تھا۔ ایسے حالات میں ایک انسان اتنے طریقے اختیار کر سکتا تھا۔

(۱) ایک تو یہ کہ بیعت کر لی جاتی لیکن اس کے نتیجہ میں مقصدِ زندگی فوت ہو جاتا اور اسلام مٹ جاتا۔

(۲) دوسری صورت یہ کہ طاقت کا مقابلہ طاقت سے کیا جاتا یعنی امام حسینؑ حکومت قائم کر لیتے اس کے دو نتیجے برآمد ہو سکتے تھے۔

(ا) ایک تو یہ کہ امام حسینؑ کو آخر کار ابن زبیر کی طرح شکست ہو جاتی اور بحالتِ مجبوری وہی انجام ہوتا جو کربلا میں ہوا۔ ایسی صورت میں حسینؑ کی جنگ دنیوی اقتدار کے حصول کی خاطر دو بادشاہوں کی جنگ قرار دے دی جاتی اور کیونکہ یہ قرار دی جاتی عجب کہ امام حسینؑ کے اس محتاط طرزِ عمل کے باوجود کربلا کی جنگ کو دو شاہزادوں کی جنگ کہہ دیا گیا خواہ امام حسینؑ خلوص کے ساتھ تبلیغ حق کی خاطر ہی حکومت و اقتدار کے خواہشمند ہوتے لیکن اسے کوئی ماننے کے لئے تیار نہ ہوتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلام بھی مٹتا اور انجام بھی وہی ہوتا جو اب ہوا اور امام حسینؑ کو قیامت تک کے لیے شکست ہو جاتی۔

(ب) دوسری صورت یہ تھی کہ امام حسینؑ جنگ میں غالب آتے۔ ایسی صورت میں ایک فرقہ پھر بھی منافقین کا باقی رہتا جس طرح عہد رسولؐ میں اسلامی فتوحات کے باوجود باقی رہا۔ اُن کی اصلیت کبھی قیامت

تک بے نقاب نہ ہو سکتی اور معلوم نہیں کتنے انسان اُن کے غلط اسلام کو اسلام سمجھ کر اختیار کر تے۔ پھر یہ بھی ناممکن تھا کہ امام حسینؑ یا امام حسینؑ کے انصار کی حکومت ہمیشہ قائم رہتی۔ اقتدار حکومت بھی ایک مٹنے والی شے ہے جب اقتدار ختم ہو جاتا اُس وقت پھر مخالف جماعت کو اُبھرنے کا موقع مل سکتا تھا۔ اس طرح قیامت تک اسلام کو "اختیار یزیدوں" سے خطرہ رہتا اور نتیجۃً امام حسینؑ کا مقصد پورا نہ ہو سکتا۔

ان حالات میں جب صلح و جنگ دونوں امام کے مقصد کے لئے مضر تھے امام حسینؑ نے ایک ایسا نیا طریق کار اختیار کیا جسے "تدبیر حقانیت" کہہ سکتے ہیں یعنی نہ باطل کے ساتھ صلح کر کے اس کے ساتھ اشتراک عمل کیا اور نہ جنگ کی۔ چونکہ بیعت کر لینے کی صورت میں مقصد کی فنا یقینی تھی اس لئے امام حسینؑ نے یہ تو بالکل ہی طے کر لیا کہ بیعت ہرگز نہ کریں گا۔ لیکن بیعت نہ کرنے کے معنی اعلان جنگ نہ سمجھے جائیں اس کے لئے امام نے نہایت صلح کن رویہ اختیار کیا اور کسی موقع پر بھی اس طرز عمل کے خلاف ظاہر نہیں ہوا۔ پہلے ولید سے گفتگو ہوئی تو امام نے کھل کر بیعت سے انکار نہ کیا۔ بلکہ یہ کہا کہ غالباً تم تنہائی میں مجھ سے بیعت لینا پسند نہ کروگے۔ اُس نے کہا نہیں پھر امام نے کہا اچھا جب تم اور لوگوں کو مجمع میں بیعت کے لئے بلانا اُس وقت مجھے بھی بلا لینا۔ جب مروان نے ولید سے کہا کہ اگر حسین سے بیعت لینا ہے تو اسی وقت لے ورنہ پھر تو ان کی گرد قدم کو بھی نہ پا سکے گا۔ اور اگر بیعت نہ کریں تو اُن کا سر قلم کر دے۔ اس موقع پر جب بیعت کرنے یا نہ کرنے کے اعلان پر امام مجبور ہوئے تو آپ نے باواز بلند فرمایا کہ تیری کیا مجال ہے کہ مجھے قتل کر سکے۔ آپ کی آواز

سن کر آپ کے ہمراہی گھر میں داخل ہو گئے اور آپ وہاں سے چلے آئے
ابتداء میں آپ کا سخت جواب نہ دینا اعلانِ صلح جوئی کی پہلی مثال ہے
اس کے بعد ممکن تھا کہ آپ اپنے تحفظ کے بہانہ ہی جنگ کی تیاری شروع
کر دیتے جس طرح آج کل تمام دنیا کے ممالک کر رہے ہیں - اس وقت
بہت آسانی سے آپ حجاز میں حکومت قائم کر سکتے تھے - لیکن امام
نے جنگ سے بچنے کے لئے مدینہ سے ہجرت کی اور ترکِ وطنی کی
مصیبت کو قبول کر لیا - پھر سفر میں بھی کبھی آپ نے اعلانِ جنگ یا جارحانہ
اقدام نہیں کیا حالانکہ بعض مواقع ایسے آ گئے تھے - جہاں دنیاوی دشمن کی
لیکن امام حسینؑ نے صبر و تحمل سے کام لیا -

حجتِ خالق کی اللہ ری نگاہ پر شداد - سازگارِ حلم باری بن گیا جس
کا جہاد، شہید -

عقبہ بن سمعان نے دو مواقع ایسے بیان کئے ہیں - جہاں خود امام
کے ایک صحابی نے امام کو جنگ کی ترغیب دی لیکن امام نے ایک موقع
پر تو اصول کا اعلان کر دیا اور کہا کہ میں جنگ میں ابتدا نہیں کرنا چاہتا
اور ایک موقع پر جنگ کے نتیجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک خاص
ادبیت کے ساتھ فرمایا - "خداوندا میں عقرِ بے نتیجہ ہونے سے
پناہ مانگتا ہوں"

(۱) زہیر بن قین نے کہا "فرزند رسول! ان لوگوں سے جنگ کرنا
ہمارے لئے آسان ہے - بہ نسبت اُن سے جنگ کے جو ان کے بعد آئیں گے
یقیناً اس کے بعد اتنی فوجیں آئیں گی - جن کے مقابلہ کی ہم کو طاقت نہ ہوگی۔ امام
حسینؑ نے فرمایا میں ان سے جنگ میں ابتداء نہیں کرنا چاہتا"

(۴) "پھر زہیر بن قین نے کہا کہ چلیے اس قریہ میں قیام کریں یہ محفوظ بھی ہے اور فرات کنارے بھی ہے۔ اگر یہ ہم کو روکیں تو ہم ان سے مقابلہ کر لیں۔ ان سے مقابلہ بہر حال بعد والوں کے مقابلہ سے آسان ہوگا۔ امام نے فرمایا وہ گاؤں کون سا ہے جواب ملا "عقر" حضرت نے فرمایا خداوندا میں عقر (بے نتیجہ ہونے) سے پناہ مانگتا ہوں۔ پھر حضرت نے وہیں قیام کیا۔

عقبہ بن سمعان کے دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عقر میں قیام کے لیے زہیر (ص۳۶) بن قین نے اس لیے مشورہ دیا تھا۔ کہ وہ لب فرات ہے اور محفوظ ہے۔ ظاہر ہے کہ اپنی آسائش اور اپنے تحفظ کے لیے اقدام کسی طرح بھی صلح پسندی کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن امام حسینؑ نے اس وجہ سے ایسا نہیں کیا کہ حر کو ابن زیاد نے "تاکید کی تھی۔ کہ" امام حسینؑ کو بے آب گیاہ زمین پر قیام کے لیے مجبور کر دو" (مقتل عقبہ بن سمعان) ایسی صورت میں امام کا یہ مناسب اقدام تصادم کا سبب بن جاتا اور دنیا یہ سمجھتی کہ پانی کے لیے امام حسینؑ سے جنگ ہوئی اور وہ شہید کر دیے گئے یعنی حسینؑ کے مقصد سے دنیا واقف نہ ہو سکتی۔ اسی بے نتیجہ ہونے سے امام حسینؑ نے خداوند عالم سے پناہ مانگی تھی۔

چونکہ صلح پسندی کا مظاہرہ ایک نتیجہ اور پیدا کر سکتا تھا، وہ یہ کہ لوگ یہ سمجھنے لگتے کہ امام دشمن کی طاقت و اقتدار سے خوف زدہ ہیں اس لیے باوجود اختلاف کے ہر موقع پہ دب جاتے ہیں۔ جب صلح حدیبیہ کے موقع پہ مسلمانوں نے رسولؐ پر دب کر صلح کرنے کا الزام عائد کر دیا تو حسین پہ یہ الزام کیوں نہ عائد ہوتا لہذا ضرورت تھی کہ اپنے عمل کو نقطہ اعتدال پر رکھنے کے لیے ایک ایسا متوازن طریقہ کار اختیار کیا جائے

جو ہر بے بنیاد الزام کی رد کرتا ہے چنانچہ تاریخ میں ایسے واقعات بکثرت ہیں جن سے امام کا مظلومیت کے ساتھ باختیار ہونا اور صلح پسندی کے ساتھ نڈر ہونا ثابت ہوتا ہے مثلاً :۔

"عقبہ نے کہا ہم مدینہ سے نکلے اور عام شاہراہ کو اختیار کیا لیکن اہل بیت نے امام سے کہا کہ اگر عام شاہراہ کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار فرمائیں جیسا کہ ابن زبیر نے کیا ہے تو آپ کو کوئی گرفتار نہ کر سکے گا۔ فرمایا بخدا میں شاہراہ کو نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ قضائے الٰہی جو بہتر سمجھے وہ کرے" (مقتل عقبہ)

"عقبہ نے یہ بھی کہا کہ آپ عبداللہ بن مطیع ملے۔ چنانچہ عبداللہ نے امام سے عرض کیا۔ میں آپ پہ نثار کہاں کا قصد ہے؟ فرمایا میں اس وقت تو جا رہا ہوں آئندہ خدا سے استخارہ کروں گا۔ عبداللہ نے کہا خدا آپ کا بھلا کرے اور ہمیں آپ پہ قربان کرے۔ جب آپ مکہ پہنچیں تو کوفہ کے قریب ہرگز نہ جائیں۔ وہ بڑا ہی منحوس شہر ہے۔ وہاں آپ کے باپ قتل ہوئے بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا اور اُن پر ایسا حملہ کیا گیا جو مہلک ہو سکتا تھا۔ آپ عرب کے سردار ہیں۔ حرم میں قیام کیجیے۔ اہل حجاز آپ کے ہوتے ہوئے کسی کی طرف رُخ نہ کریں گے۔ ہر طرف سے لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ آپ حرم کو نہ چھوڑیں میرے ماں اور چچا آپ پہ نثار) خدا کی قسم اگر آپ ہلاک کر دیئے گئے تو آپ کے بعد ہم غلام بنا لئے جائیں گے۔" (مقتل عقبہ)

پہلے بیان سے اہل بیت کے مقابلہ میں امام حسینؑ کا سکونِ نفس اور ان دونوں بیانات سے امام حسینؑ کا خوف زدہ نہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ جب کہ اہل بیت کو گرفتاری کا عبداللہ بن مطیع کو امام کی جان کا خوف تھا۔

"عقبہ نے بیان کیا کہ امام نے جب کوفہ کی روانگی کا ارادہ کیا تو

عبداللہ ابن عباس حضرت کے پاس آئے۔ اور کہا کہ عوام افواہ ہے آپ عراق جا رہے ہیں۔ فرمائیے آپ کا کیا قصد ہے۔ امام نے فرمایا میں نے انشاءاللہ کل یا پرسوں کسی ایک دن جانے کا مصمم ارادہ کیا ہے۔ ابن عباس نے کہا میں آپ کو اس ارادہ سے خدا کی پناہ میں دیتا ہوں۔ مجھے یہ بتلائیے کہ کیا آپ ایسی قوم کے پاس جاتے ہیں جس نے اپنے حاکم کو قتل کر دیا ہے اپنے وطن پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور دشمن کو نکال دیا ہے۔ اگر وہ ایسا کر چکے ہیں تو آپ شوق سے جائیے اور اگر ان کا حاکم ان پر مسلط ہے اور عمال ٹیکس وصول کر رہے ہیں۔ اور اس حالت میں انہوں نے آپ کو اپنے پاس بلایا ہے۔ تو آپ کو جنگ کے لیے بلایا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کو دھوکا دیں گے۔ اور آپ سے جنگ کریں گے۔

امام نے فرمایا۔ میں خدا سے استخارہ کروں گا۔ اور دیکھوں گا کہ کیا ہوتا ہے۔

اس سے بھی امام حسینؑ کی شجاعت کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ امام انجام سے واقف ہوتے ہوئے بھی خوفزدہ نہ تھے۔

عقبہ کہتے ہیں کہ اسی دن شام کو یا دوسرے دن صبح کو ابن عباس آئے اور کہا کہ میں صبر کی کوشش کرتا ہوں لیکن مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔ اس سفر میں مجھے آپ کی ہلاکت اور تباہی کا خوف ہے۔ عراق والے غدار ہیں۔ ان کے پاس نہ جائیے۔ مکہ میں رہئے آپ سید اہل حجاز ہیں۔ اگر عراق والوں کو جیسا وہ ظاہر کرتے ہیں آپ کی خواہش ہے آپ انہیں لکھیں کہ وہ اپنے دشمن کو وہاں سے نکال دیں پھر اس کے بعد آپ ان کے پاس جائیں۔

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حالات اتنے پُرآشوب تھے کہ ابن عباس کو حسینؑ کی شہادت کا یقین تھا اور ابن عباس کا ایسا عظیم المرتبت الشان یہ کہنے پر مجبور تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ صبر کروں اور مجھ سے نہیں ہوتا۔ لیکن وہ

حسینؑ تھے جن کے سینہ میں علی ابن ابی طالب کا دل تھا۔ اور حسینؑ کی یہ خصوصیت اتنی نمایاں تھی کہ دشمن تک نے یعنی عمر ابن سعد نے نویں محرم کو حسینؑ سے بیعت کے لئے نہیں کہا اور حملہ کر دیا۔ لوگوں کے کہنے پر اُس نے جواب دیا کہ " میں اچھی طرح جانتا ہوں بخدا حسینؑ کبھی بیعت نہ کریں گے۔ اُن کے پہلو میں اُن کے باپ کا دل ہے۔

"ابن عباس نے امام سے کہا، اگر آپ جاتے ہی ہیں تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ قتل نہ کر دیئے جائیں جیسے عثمان قتل ہوئے اور اُن کی عورتیں اور بچے ان کے قتل کا منظر دیکھ رہے تھے "

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عباس بار بار آپ کو خطرناک انجام سے باخبر کر رہے تھے۔ اور نہ صرف حسینؑ بلکہ اُن کے اعزا و اقارب کی زندگی کو بھی خطرہ میں پا رہے تھے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جب کہ ابن عباس قرائن سے انجام کی تصویر کھینچ سکتے تھے۔ تو حسین ابن علیؑ کا سا مدبر انسان جس نے تدبر کا دنیا میں ریکارڈ قائم کیا ہے۔ انجام سے ناواقف ہو۔ ماننا پڑے گا کہ حسینؑ وہ دیکھ رہے تھے اور وہ سمجھ رہے تھے۔ جو ابن عباس بھی نہ دیکھ سکے اور کوئی شک نہیں کہ وہ موت کے یقین کے باوجود مطمئن تھے۔

"امام نے رات کے آخری حصّہ میں پانی بھرنے اور پھر کوچ کرنے کا حکم دیا، ہم نے حکم کی تعمیل کی۔ جب ہم قصر بنی مقاتل سے آگے بڑھے اور تھوڑی دور چلے تو امام کی آنکھ لگ گئی پھر انا للہ وانا الیہ راجعون والحمد للہ رب العالمین۔ فرماتے ہوئے بیدار ہوئے اور دو یا تین بار انہی کلمات کو دہرایا۔ جناب علی بن الحسینؑ (علی اکبر) گھوڑے پہ حضرت کی طرف آئے اور انا للہ کہہ کر عرض کیا آپ پہ خدا

ہوں۔ اس وقت یہ کلمات کیوں ارشاد فرمائے۔ امام نے فرمایا بیٹے میری آنکھ لگ گئی۔ ایک سوار کو دیکھا جو کہہ رہا ہے "یہ لوگ سفر میں مشغول ہیں اور موت ان کے ساتھ جا رہی ہے"۔ میں نے سمجھا کہ ہمیں موت کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت علی اکبر نے کہا۔ خدا آپ کو ہر بلا سے بچائے۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام نے فرمایا اُس خدا کی قسم جس کی طرف تمام انسانوں کی بازگشت ہے بے شک ہم حق پر ہیں۔ حضرت علی اکبر نے کہا۔ بابا پھر ہمیں حق پر ہوتے ہوئے موت کی کچھ پروا نہیں ہے۔ امام نے فرمایا خدا تمہیں وہ بہتر بن جزا دے جو ایک باپ کی طرف سے بیٹے کو دیتا ہے" (مقتل عقبہ)

اس واقعہ سے جہاں کئی نتیجے برآمد ہوتے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اگر انسان حق پر ہو تو اسکے موت سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس واقعہ سے امام حسینؑ کے نڈر ہونے کی خود اُنہی کی زبان سے یہ تفسیر ہو گئی کہ چونکہ وہ حق پر تھے لہٰذا وہ موت سے خائف نہ تھے۔ اور اس کے ساتھ علی اکبر کی عظمت بھی ثابت ہوتی ہے۔ علی اکبر کی یہی وہ بلند کرداری تھی جس کی بناء پر امام حسینؑ نے انہیں یہ سند دی تھی۔ کہ وہ گفتار و کردار میں رسولؐ کے ہمشبیہ ہیں"۔

امام حسینؑ نے اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یزید کی حکومت کے خلاف میرا احتجاج نہ تو حکومت کے حصول کی خاطر ہے، نہ خاندانی عداوت کی بناء پر اور نہ ذاتی اغراض و مقاصد کے لیے بلکہ یہ اختلاف خالص مذہبی ہے اور حق کے تحفظ کی خاطر ہے۔ پروپیگنڈے کا فلسفہ دورِ حاضر کی پیداوار

سمجھا جاتا ہے اور اس کا استعمال غلط طور پر کیا جاتا ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ جب غلط پروپیگنڈا بھی ایک نہ ایک مدت تک لوگوں کو دھوکا دے سکتا ہے تو حقیقت کا بار بار اعلان کیونکر نہ عالمگیر تاثرات کا سبب بنے گا۔ عقبہ بن سمعان کے مقتل میں ہم کلام امام میں یہ التزام دیکھتے ہیں کہ کسی نہ کسی پیرایہ میں ضرور اپنے عمل کے اللہ کی رضا جوئی کا پابند ہونے کا اظہار کیا گیا ہے — ملاحظہ ہو۔

(۱) عقبہ نے کہا ہم مدینہ سے نکلے اور عام شاہراہ کو اختیار کیا۔ لیکن اہل بیت نے امام سے کہا کہ اگر عام شاہراہ کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار فرمائیں (جیسا کہ ابن زبیر نے کیا ہے) تو آپ کو کوئی گرفتار نہ کر سکے گا۔ فرمایا بخدا میں شاہراہ کو نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ قضائے الٰہی جو بہتر سمجھے وہ کرے (رجوع (۲))

(۲) "عقبہ نے کہا کہ ہمیں عبد اللہ بن مطیع ملے۔ چنانچہ عبد اللہ نے امام سے عرض کیا (میں آپ پر نثار) کہاں کا قصد ہے فرمایا اس وقت تو میں جا رہا ہوں آئندہ خدا سے استخارہ کروں گا" (مقتل عقبہ)

(۳) "ابن عباس نے کہا اس حالت میں انہوں نے آپ کو بلایا ہے تو آپ کو جنگ کے لئے بلایا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کو دھوکا دیں گے۔ اور آپ سے جنگ کریں گے امام نے فرمایا "میں خدا سے استخارہ کروں گا اور دیکھوں گا کہ کیا ہوتا ہے"

(۴) "امام نے ابن زبیر سے فرمایا بخدا میرا دل کوفہ جانے کو کہتا ہے۔ میرے دوستوں اور کوفہ کے اشراف نے مجھے خط لکھے ہیں۔ میں اس امر میں خدا سے استخارہ بھی کروں گا"

(۵) "عقبہ کہتے ہیں کہ جب ہم تعبر (؟) مقام سے آگے بڑھے

اور تھوڑی دیر بعد امام کی آنکھ لگ گئی پھر انا للہ و انا الیہ راجعون والحمد للہ رب العالمین کہتے ہوئے بیدار ہوئے اور دو تین بار انہی کلمات کو دہرایا" (مقتل عقبہ)

یہ تھا وہ محتاط طرز عمل جس سے امام نے اتنے نتائج اہل عالم کے مطالعہ کے لیے چھوڑے :-

(۱) امام حسینؑ بیعت کرنے کے لیے کسی حالت میں بھی تیار نہ تھے۔

(۲) امام کا بیعت نہ کرنا کسی اور وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ اللہ کی مرضی کے حصول کے لیے تھا۔

(۳) امام حسینؑ جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بیعت کے علاوہ باقی ہر شرط پر صلح کے لیے تیار تھے یہاں تک کہ فرمایا "مجھے چھوڑ دو میں خدا کی اس وسیع زمین میں کہیں چلا جاؤں" (مقتل عقبہ بن سمعان)

(۴) اسلح بندی اہل باطل کے خوف سے نہ تھی۔ بلکہ حصول مقصد کی خاطر تھی۔

اس طرز عمل کے بعد بھی جب بیعت لینے پر اصرار جاری رکھا گیا اور مظالم شروع کر دیے گئے تو اس وقت بھی امام حسینؑ نے اس وقت تک جنگ نہیں کی جب تک مدافعت تحفظ جان کے لیے شرعی طور پر واجب نہ ہو گئی۔ جب وہ موقع آ گیا تو ہر ایک نے انفرادی طور پہ مدافعت کی۔ اور تاریخ عالم گواہ ہے کہ اس بے بسی اور تنہائی کے عالم میں بھی امام حسینؑ نے یزید کی تیس ہزار کی فوج کو سات مرتبہ نخیلہ تک بھگا دیا۔ اخیر میں سجدۂ خالق میں شہید ہو گئے۔

پورے بیان کا نتیجہ یہ نکلا کہ امام حسینؑ نے ایک عظیم الشان مقصد کو

حاصل کرنے کے لئے ایک نہایت وسیع اور منظم لائحہ عمل مرتب کیا تھا۔ اور یہی سبب ہے کہ امام حسینؑ کا کوئی فعل نہ اضطراری تھا اور نہ جذبات کے تقاضوں کے ماتحت بلکہ اُن کے نظامِ عمل کا ہر جزو حصول مقصد کی ایک کڑی ہوتا تھا۔ جس کے بغیر وہ عظیم الشان نتیجہ یا تو مرتب نہ ہو سکتا یا اُس میں نقص رہ جاتا۔ ابتدائے کلام میں میں نے عرض کیا تھا کہ ہوا کا ہر جھونکا ایک وسیع اور منظم قانون قدرت کا اثر ظاہر کرتا ہے، اسی طرح امام حسینؑ کا ہر معمولی سا معمولی فعل نتیجہ خیز بھی ہے۔ اور ایک وسیع اور منظم دستور العمل کا جزو بھی۔ ہمارا فرض ہے کہ جہاں تک تاریخ ہماری مدد کر سکے ہم امام حسینؑ کے کردار کی مدد سے اُن اُصولوں کو اخذ کرنے کی کوشش کریں جن کے وہ امانت دار تھے اور جن کی تبلیغ اُن کی زندگی کا مقصد تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حسینؑ کا دستور العمل نہایت پیچیدہ ہے اور اس کو پیچیدہ اور دشوار ہونا بھی چاہیئے

اس لئے کہ قانون قدرت کا کون سا جزو ایسا ہے جو وسیع اور پیچیدہ نہیں ہے۔ یہ ایسا دشوار طریق کار تھا کہ ابن عباس کی ایسی بزرگ شخصیت بھی اس کو سمجھنے سے قاصر رہی۔ یہاں تک کہ خود اعزّا اس کے دقائق سے اُس حد تک واقف نہ تھے جہاں تک امام حسین کی نگاہِ فطرت شناس پہنچ گئی تھی۔ مثلاً یہی واقعہ کہ اعزا نے چاہا کہ امام حسینؑ شاہراہ کو چھوڑ کر کوئی غیر معروف راستہ اختیار کر لیں۔ لیکن امام نے اسے مصلحت کوشی اور خیر اندیشی کے خلاف خیال کیا۔ بالکل اسی طرح جب سقراط سے اُس کے شاگردوں نے چھپ کر چلے جانے کو کہا تھا تو اُس نے انکار کیا تھا اور

اپنے انکار کو صحیح ثابت کرنے کے لئے عقلی دلائل پیش کرتے رہتے۔ فرق یہ ہے کہ سقراط نے شاگردوں کو جو جواب دیا تھا۔ اس کی افادیت محدود تھی لیکن امام کا حکیمانہ جواب "بخدا میں شاہراہ کو نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ مشیت الٰہی جو بہتر سمجھے وہ کرے"، اپنے اندر افادیت کا ایک لا محدود سمندر لئے ہوئے ہے۔ ایک تو انداز بیان اتنا پُر طاقت ہے جس سے اللہ پر اعتماد کے جذبہ کی پختگی کا اظہار ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ مشیت الٰہی جو کچھ بہتر سمجھے گی وہی کرے گی۔ دوسرے انسان کے راضی برضا رہنے کی تعلیم مضمر ہے۔ اس ایک جملہ میں تصور اِلٰہ کا عظیم فلسفہ جو تمام اصول اسلامی پر محیط ہے مضمر ہے پھر یہ کہ یہ جملہ ہی سقراط کے جواب سے بہتر نہیں ہے لفظی تعلیم تو اُس وقت ہوتی جب امام خود محل امتحان میں نہ ہوتے اور دوسروں کو ایسے عمل کے لئے تعلیم دے رہے ہوتے۔ لیکن امام خود خطروں سے دوچار تھے اور وہ خطرے اُس خطرہ سے کہیں زیادہ عظیم تھے جو سقراط کو درپیش تھا۔ اُس وقت امام کا یہ قول اُن کے عدیم المثال اطمینان نفس اور بے نظیر عزم و پامردی کا ثبوت ہے جو تاریخِ انسانیت میں سنہرے حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

اگر امام حسینؑ ابن زبیر کی طرح چھپ کر چلے جاتے تو ابن زبیر اور امام حسینؑ کے مقصد میں فرق واضح نہ ہوتا ضروری تھا کہ اس موقع پر امام حسینؑ اپنے طریق کار کا امتیاز دنیا کے سامنے پیش کریں تاکہ آگے تاریخ کے اخذ کرنے میں آسانی ہو۔ اگر امام حسینؑ اہل بیت کے کہنے پر عمل کرتے تو چاہے اس سے کوئی بڑا نتیجہ مرتب نہ ہوتا لیکن ممکن تھا۔ کہ اس عمل سے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے اور امام کا مقصد سمجھنے میں دشواری

بڑھ جاتی ۔

جہاں تک امام حسینؑ کے ذاتی کارناموں اور اپنے ہمراہیوں کی صحیح قیادت کا تعلق ہے اس میں شک نہیں کہ یہ امام حسینؑ کے اجتہاد فکری اور قوت تدبر کا نتیجہ تھا۔ لیکن امام حسینؑ کے ہمراہیوں کی شخصیت اور اُن کے کردار کی تعمیر میں امام حسینؑ کا بہت کم حصہ ہے۔

ہم ہر ملک اور ہر تاریخ کے ہر دور میں دیکھتے ہیں کہ چاہے کتنی بڑی شخصیت ہو اپنے معین و مددگار اور ہم خیال انسان فوراً نہیں پیدا کر سکتی خود جو چاہے کرے لیکن دوسرے اشتراکِ عمل پر آمادہ نہیں ہوتے یہاں تک کہ اعزا و اقارب اور خاندان والے بھی ساتھ نہیں دیتے فطرت کے اصولوں پر نظر ڈالنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امام حسینؑ کے ہمراہی بلا استثناء خواہ وہ اعزا و اقارب ہوں خواہ اصحاب اُن کا کردار ایک دم سے اتنا بلند نہیں ہو گیا تھا اس جماعت کے مزاج اخلاقی کی عمارت کی تعمیر کا سہرا بانی اسلام حضرت رسالت مآبؐ کے سر ہے۔ یہ سوال کہ اگر امام حسینؑ تنہا ہوتے تو اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے یا نہیں اس کا جواب مشکل ہے۔ امام حسینؑ کا عظیم الشان اہتمام ابن عباس کے منع کرنے کے باوجود اہل بیت کا ساتھ لے جانا، لوگوں کو خط لکھ کر بلانا۔ ناقابل اعتماد لوگوں کو راستہ میں اپنے ساتھ سے جدا کر دینا۔ یہ تمام باتیں عبث نہیں تھیں۔ یقیناً حصول مقصد کے لئے یہ اہتمام ضروری تھا۔ امام حسینؑ کا عمل خود اس بات کا ثبوت ہے۔ ماننا پڑے گا۔ اگر یہ اہتمام نہ کیا جاتا تو امام حسینؑ اپنے مقصد میں ناکام رہتے ایسی شخصیتوں کا پیدا کر دینا جو امام حسینؑ کے ساتھ عملی تقسیم کر لیں حضرت رسالت مآبؐ کا زریں کارنامہ ہے اور یہی وہ دلیل ہے جس کی بنیاد

پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ حسینؑ کا کارنامہ رسولؐ کا کارنامہ ہے امام حسینؑ کو محض نائب رسول کی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن بتدریج نتائج مرتب ہونے کا تقاضا یہی ہے کہ رسولؐ سے حسینؑ تک جو درمیانی وقفہ ہے اس میں بھی رسولؐ کا پیدا کیا ہوا انقلاب تدریجی طور پر بڑھتا رہا ہے اس لیے حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کی شخصیتیں بھی ناقابل فراموش ہیں اور ماننا پڑے گا۔ کہ یہ بھی واقعۂ کربلا میں عملی طور پر شریک تھے۔ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ واقعہ کربلا میں شرکت کے لیے سنہ ۶۱ھ میں امام حسینؑ کے ساتھ شریک ہو کر جہاد کرنا ضروری ہے لیکن یہ غلط فہمی اس وجہ سے ہے کہ لوگوں کی نظر قوانینِ فطرت پر نہیں ہے۔ وہ تاریخ کے فلسفہ سے ناواقف ہیں۔ یقین مانیے اگر حسینؑ سے پہلے والے اُن کے لیے زمین ہموار نہ کر رکھتے اور امام حسینؑ تن تنہا ہوتے تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے اور اس میں بھی شک نہیں کہ امام حسینؑ کے بعد واقعہ کربلا کو زندہ رکھنے کے لیے جس کے ساتھ حسینؑ کا مقصد حیات وابستہ تھا ائمہ معصومین نے اپنی پوری پوری عمریں وقف کر دیں اور یہ بھی واقعہ کربلا میں عملی شرکت ہی اس لیے کہ اگر ائمہ طاہرین عملی اعانت نہ کرتے رہتے تو واقعہ کربلا کی نوعیت یا تو مسخ ہو جاتی یا مٹ جاتی اور مقصد شہادت فنا ہو جاتا۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ پُرجوش اور نیک خیال خود نوعِ انسانی کے ہمدرد بعض حضرات اسلام پر اعتراض کر دیتے ہیں کہ اس نے غلامی کے اصول کو ختم نہیں کیا لیکن یہ بھی مذکورہ الصدر غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ حضرت علامہ کامون پوری دام ظلہ نے تحریر فرمایا ہے کہ:-

۔ بجائے اس کے کہ اسلام انسدادِ غلامی کا قانون اچانک پیش کرتا اس نے نظامِ معیشت عام معاشرت اور تہذیب و تمدن میں انقلاب

پیدا کرنا شروع کر دیا (ص۳ مقدمہ مقتل عقبہ)

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے اُسی حکیمانہ اُصول کے ماتحت جو کامیابی کا راز ہے غلامی کو ختم کرنا چاہا تھا۔ یاد رکھیئے کہ یہ کلیہ دنیا کی ہر شے کو شامل ہے فطرت کی ہر شے میں اس کا وجود ہے جس طرح سورج کی گردش کو نہیں دیکھا جا سکتا جس طرح بچہ کی نشو و نما اور جوانی کے بعد انحطاط کو محسوس نہیں کیا جا سکتا اسی طرح ممکن ہے کہ بظاہر ایسا نظر آتا ہو کہ اسلام نے غلامی کے رواج کو ختم نہیں کیا۔ بظاہر دنیا کی کسی شے میں محسوس طور پہ تغیر نظر نہیں آتا۔ لیکن ہر لمحہ میں غیر ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رفتہ رفتہ غیر محسوس طور پر اسلام نے ان بنیادوں ہی کو کھوکھلا کر دیا جن پہ قبل اسلام غلامی کی عمارت قائم تھی۔ یہ اسلام ہی کے زرّیں اصولوں کا فیض تو ہے جس نے حضرت عقبہ بن سمعان کا ایسا غلام پیدا کر دیا۔ جن کا کردار دنیا کے بڑے بڑے آزاد ملکوں کے قائدین کے لئے موجودہ متمدن دور میں بھی قابل تقلید ہے۔ غلام ہونے کے باوجود عقبہ بن سمعان کی شخصیت اتنی بلند ہے کہ ان کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ وہ امام حسینؑ کے صحابی اور امین تھے۔

امام حسینؑ عالم اسرار کائنات تھے۔ اور مزاج عالم سے بخوبی واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان تمام صبر و ضبط کے مراحل طے کر لینے کے بعد بھی مقصد کا تحفظ اور حق کی تبلیغ مشکل ہے۔ اسی لئے وہ اہل بیت کو ساتھ لائے تھے۔ عقبہ بن سمعان کا زندہ رہ جانا بھی یقیناً بلا سبب نہیں ہے۔ ضرور اس میں بھی حسینؑ کی قیادت کو دخل ہے یہ بات ثابت نہ ہوتی اگر عقبہ بعد شہادت حسینؑ دشمن کے انہام کی رد اور تبلیغ حق

کے لئے زندگی وقف نہ کر دیتے لیکن عُقبہ کا عمر بھر بنی امیہ کے پروپگنڈے کی رد کرنا اور یہ کہتے رہنا کہ "جب امام حسینؑ مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے اور مکہ سے پھر عراق میں برابر ساتھ رہا اور آخر وقت تک آپ سے جدا نہیں ہوا اور آپ نے مدینہ، مکہ، راستہ عراق میں یا دشمن کی فوج سے جو بھی گفتگو کی اس کا ایک ایک لفظ میں نے سُنا۔ جو لوگ آپس میں یہ چرچا کرتے ہیں اور غلط گمان کرتے ہیں کہ آپ اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دینے پر راضی ہو گئے تھے۔ بخدا امام حسینؑ کبھی بھی اس پر آمادہ نہیں ہوئے۔ اور نہ اس پر تیار ہوئے کہ آپ کسی سرحد پر بھیج دیئے جائیں بے شک آپ نے یہ فرمایا تھا کہ مجھے چھوڑ دو میں خدا کی اس وسیع سرزمین میں کہیں چلا جاؤں۔ پھر دیکھا جائے گا۔ کہ مسلمانوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔" (مقتل عقبہ بن سمعان) بے سبب نہ تھا۔

بعد میں اس کا نتیجہ ہماری نگاہوں کے سامنے آگیا یعنی یہ کہ علمائے "تاریخ غلطی سے محفوظ ہے اور ان کو عقبہ کے بیان سے بنی امیہ کے پروپیگنڈے کی رد کے لئے دلائل مل سکے (مقتل عقبہ)

عقبہ کا زندہ رہنا اور حق کی تبلیغ کرنا ضرور ایک سوچا سمجھا ہوا اقدام تھا۔ یاد رہے کہ بیعت ہی وہ نزاعی مسئلہ تھا۔ جس کی وجہ سے امام حسینؑ شہید ہوئے اور اگر عقبہ اس پروپیگنڈے کی رد نہ کرتے جسے بنی امیہ نے شہادت حسینؑ کو بے اثر بنانے کے لئے شروع کیا تھا۔ تو مقصد شہادت فوت ہو جاتا اور جب کہ عقبہ نے مفہوم شہادت اور مقصد شہادت کی حفاظت کی اور ان کی کوشش کارنامۂ حسینی کی آخری کڑی ثابت ہوئی تو کوئی وجہ نہیں کہ ناصرانِ حسینؑ اور مجاہدینِ کربلا میں اُن کا شمار نہ کیا جائے

اور غالباً یہی وجہ ہے کہ علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۲۲ کتاب زیارات میں شہدائے کربلا کے ساتھ عقبہ بن سمعان پر بھی سلام کرنے کی ہدایت کی ہے۔

امام حسینؑ کے اتنے زبردست اہتمام اور اتنے مکمل نظام عمل مرتب کرنے اور اس پہ عمل کرنے کے بعد کتنے نتیجے دنیا تک پہنچ چکے ہیں:۔

۱۔ امام حسینؑ مظلوم تھے بایں معنی کہ آپ بے قصور تھے۔ کسی دنیوی قانون کے تحت بھی آپ واجب القتل نہیں قرار دیئے جا سکتے اس لئے دنیائے انسانیت کا انسانی فرض ہے کہ وہ حسینؑ کی قیامت تک سوگوار رہے۔

۲۔ امام حسینؑ کی مظلومیت بے بسی کی مظلومیت نہیں ہے تاکہ محض غم کیا جائے اور آپ کے بے بسی کے عالم میں شہید ہو جانے پر صرف گریہ کیا جائے بلکہ آپ نے ایک بڑے مقصد کی خاطر مصائب برداشت کرکے اور ہمیں اپنے کردار سے سبق دیا کہ ہر انسان کو اپنے مقصد حیات کی نہایت ہوشیاری کے ساتھ تعیین کرنا چاہیے اور اُس کے بعد اپنی ساری طاقتیں صرف کرکے اُسے حاصل کرنا چاہیے۔

۳۔ اگر ہمیں حسینؑ سے ہمدردی ہے۔ اگر ہمیں ان کے مقصد سے دلچسپی ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن عظیم الشان اُصولوں کی تبلیغ کریں جن کی تبلیغ حسینؑ کا مقصد حیات تھا اور اس طرح نصرت حسین کے فرض سے سبکدوش ہو سکیں جو اخلاقی، قانونی، مذہبی اور انسانی طور پر واجب ہے۔

۴۔ نہ صرف یہ کہ ہم اُن اعلےٰ اُصولوں کی اشاعت کریں جن کا

امام حسینؑ نے تحفظ کیا اور جو نوع انسانی کی ذہنیت کو تبدیل کر کے اسے حقیقی آزادی، حقیقی مسرت اور مستقل خوشحالی بخشنے کے ذمہ دار ہیں بلکہ عملی طور پر بھی ہم اُن اصولوں کی تبلیغ کا ذریعہ نہیں ہیں۔ اس لئے بھی کہ ہم عملی نمونہ بن کر لوگوں کے دلوں کو زیادہ متاثر کر سکتے ہیں۔ اور اس سے بھی کہ محض اعلیٰ اصول کسی نتیجہ کو برآمد کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔

واقعۂ کربلا کی اشاعت کیلئے مجتہدین و علماء و افاضل و اہل رائے کی قوم سے اپیل!

واقعہ کربلا نوع انسانی کا بے نظیر و عظیم الشان روحانی و تہذیبی کارنامہ ہے۔ علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب کاموں پوری مجتہد العصر نے عراق و شام وغیرہ کے علماء اور کتب خانوں سے استفادہ کیا۔ خصوصاً مصر میں کئی سال محض تاریخ کے مطالعہ میں صرف کئے۔ آپ نے قوم میں تاریخی ذوق پیدا کرنے کے لئے اس سلسلہ میں کچھ قابل قدر اقدامات کئے ہیں آپ نے یہ تجویز بھی پیش کی ہے کہ کربلا کے قدیم ترین مصادر کو ترجمہ و بحث و تحقیص و درایت کے ساتھ شائع کیا جائے۔ تاکہ موجودہ نسل اس واقعہ کی عظمت سے فائدہ اٹھائے اور آنے والی نسلوں کو حق و صداقت کی روشن راہ میں نجات کا گوہر مقصود مل جائے۔ قوم کے اہل علم و فضل سے امید ہے۔ کہ وہ قدیم مخطوطات کو ڈھونڈھیں گے۔ اُنہیں ترجمہ و درایت کے ساتھ شائع کریں گے۔ اہل دولت کا فرض

ہے کہ انہیں چھپوائیں اور عوام کا فرض ہے کہ ان سے فائدہ اٹھائیں -
(ممتاز العلماء) سید محمد عرف میرن (مرحوم) (مولانا) سید مبارک حسین -
(صدر الافاضل) (فاضل شرقیات) سید اطہر حسین جعفری ایم اے (مولانا)
سید یاور مہدی رضوی (فاضل و دبیر کامل) (خان بہادر) علی سجاد حسین
(پنشنر کلکٹر و مجسٹریٹ ایم۔ بی۔ ای) شیخ ممتاز حسین جونپوری (جوائنٹ
سیکریٹری آل انڈیا شیعہ کانفرنس) احتشام حسین پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی)
یوسف حسن موسوی پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی) نوازش علی خاں (قزلباش)
ایم۔ ایل۔ اے) مرزا عزیز الحسن (صدر انجمن سجادیہ کالن پور)۔ سید
یوسف احسین رضوی (وکیل) سید مطلب حسین بی۔ اے ایل ایل بی۔
سید منتخب حسین بی۔ اے ایل ایل بی۔ ڈاکٹر سید سردر حسین (امین آباد)
(شاعر ادیب) سید افسر نواب (امین آباد)

عقبہ بن سمعان کا مقام

(از سید شہید حسن صاحب شہید صفی پوری ایم اے)

سکون دار تجلائے امامت کے مکیں عقبہ — بہار گلشن انسانیت کے خوشہ چیں عقبہ
زبان حق بیاں شاہ دیں کا ہمزباں تو ہے — امین راز قدرت کا امیں رازداں تو ہے
کھلا تیرے مذاق اکتساب علم و عرفاں سے — ترقی ہے نہیں خارج حدود عزم انساں سے
کریں گے فخر ابنائے جہاں تیری غلامی پر — کرے گی رشک تاریخ محبت نیکنامی پر
شہادت سے تری بڑھ کر اہم تھی زندگی تیری — کہ تو نے مقصد اہل وفا کو زندگی بخشی

عہ شہید صاحب علامہ کامل پوری کے بھتیجے داماد عصمت خاتون مرحوم و مغفور کے شوہر ہیں

غلامانِ حسین ابن علیؑ کی آن دکھلا دی — حقیقی حریت کی عزمِ پیہم شان دکھلا دی

قدم اکھڑے نہ تیرے شاہراہِ عزمِ منزل سے — دبا ذوقِ وفاداری نہ استبدادِ باطل سے

رہا سرگرمِ تبلیغِ حقیقت رہنما بن کر — دلوں کو روشنی دی ترجمانِ کربلا بن کر

اڑا دیں دھجیاں قومِ جفا جو کی سیاست کی — کہ تو نے عمر بھر توثیق کی انکارِ بیعت کی

دیا اوجِ شباب آہنی عزمِ رفاقت کو — بچایا کفر کے حملوں سے مفہومِ شہادت کو

سنا دی ظالموں کے ساحل میں تو نے صدا دل کی — عجب شانِ جوانمردی سے کی تمہید باطل کی

رہا ہمراہ سرورِ نصرتِ حق میں ہر منزل — کسی منزل پہ کم ہونے نہ پایا جذبۂ کامل

نہ چھوڑا ساتھ حق کا دشت کی پُرہول غربت میں — یہ کیونکر لازمی تھا اس طرح لازم ترے دل میں

کتابِ دل میں ہے مرقوم تیری شانِ خودداری — سبق ہے نوعِ انساں کیلئے تیری وفاداری

رہے گی حشر تک تیری وفا کی داستاں باقی
رہیں گے وقت کے جادہ پہ قدموں کے نشاں باقی

حضرت عقبہ بن سمعان

(از شاعر جواں فکر جناب محمد قاسم صاحب زاہد فتح پوری کراچی)

منقلب ہیں وقت کے قلب و جگر — کشمکش میں مبتلا ہے چشمِ تر

فکر کی دنیا میں ہل چل ہے مچی — ہے قیامت آفریں ہر اک نظر

چٹکیاں لیتے ہیں دل میں درد و غم — پھٹ رہا ہے دردِ بے پایاں سے سر

چیونٹیاں سی رینگتی ہیں خون میں — ہے رگوں میں آگ سرگرمِ سفر

آگ وہ بھڑکی ہوئی ہے قلب میں — جس پہ سعیِ آبِ دیدہ بے اثر

آگ جس کی گود میں ہے گلستان — جس سے بار آور ہے ایماں کا شجر
آگ جس سے شاخ دیں شاداب ہے — آنچ کھا کر جس کی پکتے ہیں ثمر
آگ جو پگھلائے فولادی حصار — آگ جس سے راکھ ہو کہسار شر
جس سے روشن ہے محبت کا چراغ — جس سے پانی پانی نفرت کا جگر
جس سے ہے انساں کے جوہر پہ جلا — جس سے بجھ جاتی ہے شیطاں کی نظر
جس سے قائم زندگیٔ کائنات — جس پہ جادوئے اجل ہے بے اثر
روح انساں کے لئے جو ہے مفید — جسم انساں کے لئے جو کارگر
خلعتیں جس کی نگاہوں میں حقیر — جس کی نظروں میں حذف انبار زر
آتش امن و اماں جس دل میں ہے — وہ ہے بے شک صاحب فکر و نظر
نصفت صدق و صفا کی جوت سے — زندگی کی پاتا ہے - لافانی - بشر
ظلم کے طوفان میں جس کے طفیل — بندۂ حق رہتا ہے سینہ سپر
خیر کا تن جس سے پاتا ہے نمو — سرد پڑ جاتی ہے جس سے روح شر
زندگی کو جس سے خوف جاں نہیں — رعب سلطاں سے نہیں خم جس کا سر
جس سے ہے محفوظ انساں کا وقار — جس سے پاتا ہے حقوق اپنے بشر
جو لگائے بندگی میں چار چاند — رات کو جو دے پیامات سحر
فکر سے جس کی نکھر جائے جہاں — گفتگو سے جس کی جو ہمکیں دشت و در
جس کی رگ رگ میں وفا کا خون ہو — جذبۂ صدق و صفا سے پر ہو سر
قوت احساس جس کی ہو جمیل — مقصد اعلیٰ پہ ہو جس کی نظر
جس کے دل میں ہو شرافت کا خمیر — جانتا ہو جو رموز خیر و شر
جو ہو نقاد حقیقت آشنا — مملکت کا جس کے دل میں ہو نہ ڈر
موت جس کو دیکھ کر مانگے اماں — جو بنائے سینۂ طوفاں میں گھر

آتش حق سے ہے روشن کس کا دل
کس کی باتیں ہیں ودیعت کارگر

کون ہے وہ بندۂ حق آشنا
ناصر شبیرؑ تعقیدہ جگر

حضرت سبحاں کا نور نظر

بندۂ حق — عقبہ عالی گہر

عقل پرور علم کی امید گاہ
علم پرور عقل کا لخت جگر

مجلس شبیرؑ میں یکتائے دہر
بندۂ اشمس - ربابؑ خوش سیر

حامل علم حقیقت آشنا
قافلہ سالار - تاریخ دبیر

قید ہو کر بھی جاتا شام گر
عقبہ ہوتا آل پیغمبرؐ اگر

زندگی بخشی مشیت نے اسے
تاکہ ہو آتش دعا کی تیز تر

زلزلے ہیں امن کے دشمن اگر

فائدہ بھی ان سے ہوتا ہے مگر

ہیں اگر دنیا میں نقصانوں کے کھیت
منفعت کے بھی تو ہیں تازہ شجر

راہیں ڈس لیتی ہیں رہبر کو کبھی
اور کبھی دیتی ہیں منزل کی خبر

ہے وہ تکلیف میں مضمر نجات
درد سے ہٹتا ہے تو ہٹنے درد سر

بادلوں میں ہے کہیں رنگ نشاط
اور کہیں سیلاب پر خوف و خطر

باطن طوفاں میں ہے جنت کا جمال
موجۂ طوفاں ہے گرد رخ نظر

پھونک دے جب برق خاطف آشیاں
پیدا ہو جاتی ہے پھر شاخ دگر

لوٹ لے جب قافلہ کو راہزن
پیدا ہو جاتا ہے خود اک راہبر

مشکلوں کے کھیت میں آسانیاں
اگتی رہتی ہیں ہمیشہ بے خطر

آگ اڑا دیتی ہے پانی کا وجود
آگ پہ پانی کے چھینٹے بے اثر

آگ سے پانی کا قائم ہے وقار
آگ سے پانی کے دل میں جلوہ گر

آتش حق بجھ نہیں سکتی کبھی
آتش صدق و وفا جس دل میں ہے
ایسے بھی تاریخ میں ہیں عقل راں
کربلا کے واقعے سے پھٹ گیا
آتش زر نے خریدا قوم کو
حسب منشاء کاٹ چھانٹ ہونے لگی
سوزن زر نے سبے کام و دہن
آگ نے دھویا غبار انہدام
ہے جہاد عفیفہ بے شک بے نظیر
جس کی گھٹی میں ہے تعمیر وفا
ناصر حق۔ معتمد شبیرؑ کا
ہر سخن صدق و صفا کا آئینہ
ہر سخن تشکیل دنیائے وفا
ہر سخن جاں صداقت آفریں
ہر سخن سے حق کی افزوں آبرو
دم بخود ہیں خالقان واقعات
ہر ارادہ کفر کا باطل ہوا
عہد و پیماں تیرا کوہ مستقیم!
لہلہاتا ہے تری سیرت کا کھیت
ہر مورخ کے لئے تو شمع راہ
مرحبا اے ناشر پیغام حق

چھپ نہیں سکتی محبت کی نظر
کون دیکھے چیر کر اس کا جگر
جن سے دنیا آج تک ہے بے خبر
رہبر ظلم و تشدد کا جگر
بک گئے تاریخ داں ۔ اہل سیر
واقعات کربلا میں سربسر
پاگئی لیکن صداقت بال و پر
آگ نے پیدا کیا اک دیدہ ور
جیتے جی کی جس نے حق کی سر
جس سے ہے سرسبز ایماں کا شجر
بات جس کی مستند اور معتبر
ہر سخن تفسیر آیات سحر
ہر سخن سرمایۂ اہل سیر
ہر سخن سے بزم شر۔ زیر و زبر
ہر سخن پہ پانی پانی۔ اہل شر
آفریں اے عقیلۂ عالی نظر
تیرے نور عشق سے ہر موڑ پر
ناز ہے دیں کو تیرے کردار پر
رہ گیا سر اپنا باطل پیٹ کر
تجھ سے ہے تاریخ ایماں معتبر
آفریں اے قاطع اوہام شر

آبروئے واقعات کربلا — تجھ سے بھی باقی ہے ایسے عالی گہر
اے شہید ناز کے سچے غلام — آشیاں تیرا ہے دوشِ برق پہ

تجھ سے گرمی سینۂ تاریخ میں
تو بھی ہے اسلام کا تاریخ گر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

عقبہ ابن سمعان

(از سید الشعرا جناب سید محمد رفیع صاحب عرشی بڑاہپوری (بہار))

قطعہ

اللہ رے مورخ اعظم امامِ فن — جن کی نظر سے پھوٹ چلی علم کی کرن
عقبہ کو جس نے کر دیا عالم سے روشناس — تحقیق کے وہ مہر مبیں تجتبےٰ حسن

نظم

اے قلم قوتِ اعجاز بیانی دکھلا — کر دیش لیتی ہو جس میں ہمہ دانی دکھلا
دے جو پیری کو خداداد جوانی دکھلا — لے کے آجائے جو کوثر کی روانی دکھلا

پیش عقبہ کی فداکاری کا آئینہ ہو
دولتِ فضل خداداد کا گنجینہ ہو

کون؟ عقبہ سر تنظیم ہدایات حسینؑ — ذی شرف ناظم تبلیغ، نوائے حرمین
شاہد معرکۂ سبط رسول الثقلین — رایت افرازِ کمالاتِ امامِ دارین

مادرِ حضرت اصغرؑ کا جو تھا عہد وفا

راویِ عینی ہے جو بہرِ شہ کرب و بلا

فخرِ خاتونِ جناں مریمِ اسلام ربابؑ مادرِ حضرتِ اصغرؑ، حرمِ عرش جناب
خاصۂ آلِ عبا کا تھا یہ قولِ نایاب ہم کو محبوب ہے گھر ان کا بہ اللہ رباب

تھے غلام ایسے مہ عزّ و شرف کے عقبہ
جن کی دہلیز پہ آتا تھا ملک بن کے گدا

وہ غلامی کہ جو ہے آج بھی وجہِ صد عار اسکا اسلام نے اونچا کیا کیسا معیار
وہ رسولِ عربی نوعِ بشر کا معمار جس کا ہر فعل تھا عالم کے لئے تاجِ وقار

زید و زینت کا کیا عقدِ شریعت دیکھیں
اک غلام اک بہن اہلِ بصیرت دیکھیں

کون تھے قنبرِ ذی جاہ اٹھا کیا انکا نسب دینِ اسلام نیا لوں گا سبب اور رحب
یہ غلامی ہے کہ ہیں تاجِ عجم فخرِ عرب زندگی جن کی ہے سرمایۂ خوشنودیٔ رب

تھے اسی طرح سے عقبہ بھی امینِ شبیر
تاجدارِ شرف و عزّتِ ملکِ توقیر

یاد وقتیکہ کہ شہِ دیں نے کیا گُل تھا چراغ جبکہ سینوں پہ نظر آتے تھے جرأت کے داغ
جبکہ بو دیتے تھے لبریزِ محبت کے ایاغ جبکہ تھا خون کے گرداب میں اسلام کا باغ

بحر سے موج نے جس طرح کنارہ نہ کیا
چھوڑنا شاہ کا عقبہ نے گوارہ نہ کیا

پھوٹ نکلا شفقِ حق ہے ضیا بارِ قمر یعنی عقبہ کی شہادت ہے باندازِ دگر
اس طرف نشر و اشاعت تو ادھر تیغ و تبر آنکھیں جس طرح ہیں دو ایک نگہ ہر منظر

اس مجاہد نے لیا کام زباں سے ایسا
مقصدِ سیدِ مظلوم کو دی جس نے بقا

کون ہے ختم رسل سا سرِ فہرست کمال — پھر بھی پایا ہے نواسوں نے شہادت کا جمال
زندگی موت کی تم بھید ہے اے اہل مقال — مرضی خالق کونین ہے ہستی کا مآل

جس کو چاہے نگہِ ناز سرافراز کرے
ذکر شبیرؑ سے عقبہ کو بھی ممتاز کرے

جیسے عابدؑ کے لئے تپ تھی شہادت کا بدل — بہرِ عقبہ تھا اسی طرح اسیری کا عمل
یہ ہے وہ مصلحتِ خالق عالم کا محل — صبح اوّل سے ہے جو عقدۂ لاینحل

حجت حق جو نہ ہوتا تو قیامت ہوتی
پھر تو اس عبد کی لاریب شہادت ہوتی

نا روا پانی ہے جس طرح بہ ایام صیام — عید کے دن وہی مشروب ہے ہمراہِ طعام
سجدہ حضرت آدمؑ کا بھی ہے خاص مقام — با ادب سر کے جھکانے ہی کا اسلام ہے نام

کفر یعنی کہ ہے خالق کے مقابل ہستی
فسق یعنی کہ پیمبرؐ سے نہیں ربط کوئی

جس طرح ماہیِ بے آب ہے مجبورِ فنا — کر دیا تھا اسی احوال نے عقبہ کو جدا
ورنہ یہ عونؑ کے ہمدوش وہ لڑتے بخدا — حضرت حُرؑ بھی پکار اٹھتے کہ ماشاءاللہ

مصحفِ مقصدِ شبیرؑ کی تفسیر مگر
ان کو کہنا تھی جو ہے نخلِ شہادت کا ثمر

ایک لاکھ اس سے سوا اور بھی چوبیس ہزار — انبیاء کی ہے یہ تعداد، یہ فضل غفار
اور بالآخر وہ کرم رحمتِ یزداں بے کنار — کوہِ فاراں پہ جس سے ہے سرِ عرش وقار

آ گئے کرب و بلا میں وہ بہتر جلوے
ضو نے انگڑائی لی صیقل گری عقبہ سے

صرف دو شرطوں کا اظہار جو حضرت نے کیا — ہو گیا خوش عمر سعد کہا شکر خدا

حاکم کوفہ کو لکھا کہ ہوئی رد بلا   وہ بھی مائل تھا مگر شمر ستمگر نے کہا

قتل و بیعت ہے جواب اسکا فقط دو لفظین
اختیارات میں سے بس ایک کو شبیر کریں

کربلا شمر جو پہنچا یہ جواب تحریر   ساتھ میں اپنے لئے ظلم کی اک فوج کثیر
ہاتھ مل کر عمر سعد نے کی یہ تقریر   تو نے سمجھا نہیں شبیر ہیں کو وہ توقیر

امر بیعت کبھی ممکن نہیں ان باتوں سے
قتل اب آل نبی ہو گی ترے ہاتھوں سے

تیسری شرط کہ جانے دو ہمیں نزد یزید   بادشاہ دو جہاں پر ہے یہ بہتان شدید
کوئی ایسی نہ ہوئی وہم میں بھی گفت و شنید   حجت حق سے تھا العظمۃ للہ بعید

کہہ دیا صاف کہ ظالم کی اطاعت ہے حرام
جان جاتی ہے تو جائے رہے لیکن اسلام

الاماں آل امیہ کے ہوا خواہوں نے   حاشیے اس پہ کچھ اس طرح نرالے لکھے
جس سے روشن ہو زمانے پہ کہ بیعت کیلئے   شام تک جانے کو شبیر بھی تیار ہوئے

عمر سعد تو راضی تھا مگر بس نہ چلا
شمر کو ایسی عداوت تھی کہ خود قتل کیا

دیکھنے والے یہ آئین سیاست ہے دیکھ   ہوش میں جس سے نہیں طرح صداقت ہے دیکھ
صرف دنیا کے دکھانے کو عبادت ہے دیکھ   خون تہذیب سے گلرنگ حکومت ہے دیکھ

اس پہ یہ دعوے کہ اسلام کے وارث ہم ہیں
ہم کو دنیا کے مسلمان خلیفہ مانیں

وقت وہ تھا کہ خزانوں کے دہانے تھے کھلے   زہر و شمشیر کے بھی وار تھے سمجھے بوجھے
کس میں ہمت تھی کہ حق بات زباں سے کہدے   کون تھا دھار پہ تلوار کی بے خوف چلے

تو مثلِ شہیدانِ وفا ہے عقیبہ
باندھ کر سر سے کفن راہ یہ طے کرکے رہا

عابدِ زار و حزینؑ زینبؑ و ام کلثوم — راہ تشہیر میں کوفہ سے وہ تا شام ہجوم
سختئ ابن زیاد اور یزیدِ سگِ شوم — نشرِ حق کرتے رہا پھر بھی گروہِ مظلوم

راوئ حقیقی تو ہیں اور بھی ما بعدِ تمام
کارِ عقیبہ تھا مگر شرکتِ تبلیغ امام

بولئے جھوٹ مسلسل کہ یقین آجائے — سچ کی پھر کیا ہے بضاعت جو قرین آجائے
اور جب زہر قدم مسند دہن آجائے — اس کو کہتے ہیں سیاست جو کہیں آجائے

پھر تو مکاری عیاری نہ تیغ و شمشیر
کرتے ہیں جوشِ جہانبانی میں قتلِ شبیرؑ

حاکم کوفہ کی تقریر یہ طرزِ تعریف — اور یزیدِ ستم ایجاد کی مدح و تعریف
عارفِ منزلتِ آل نبی ابن عفیف — کہہ دیا ڈانٹ کے جھوٹا ہے تو اور تیرا حلیف

گو تھے نابینا مگر یار کے اکثر کو مرے
دورِ پرہول تھا اس طرح کا عقیبہ کے لئے

ظلم بے پایاں کی ہر سمت وہ گھنگھور گھٹا — دن نظر آتا تھا جس میں شبِ یلدا سے سوا
زلزلہ جس سے تھا ایمان و یقین میں پیدا — ایسے عالم میں یہ تیرا ہی تھا کام اے عقیبہ

تو نے جس طرح زمانے کو دیا درسِ حسینؑ
تجھ سے راضی ہے خدا شاد رسول الثقلین

دم بخود حاکم کوفہ تھا وہ تیرا تھا کلام — یعنی ربابِ جگر انگار کا اونی پہلا علام
ختم ایذائیں ہوئیں ذبح کا ہے اب انجام — دیدیا شق کے یہ ظالم نے رہائی کا پیام

ناگہاں کیسے مزاجِ ستم آرا بدلا

کام لینا تھا مشیت کو تو نقشہ بدلا

سنئے عقبہ کا جو کردار صدا دیتا ہے
عزم محکم ہو تو توفیق خدا دیتا ہے

خدمت خلق کا خالق وہ صلہ دیتا ہے
جو کفِ خاک کو اکسیر نما دیتا ہے

راہِ حق میں وہ حیاتِ ابدی ملتی ہے
جو ہے فردوس بدامن وہ خوشی ملتی ہے

اللہ اللہ وہ علامۂ ازہر کا وقار
علم و تاریخ و ادب کے ہیں جو بحر ذخار

جن کی تحقیق کا عرشی ہے نرالا معیار
کھل گئے باب نظر ہو گئی فطرت بیدار

دیکھنے والوں نے عقبہ کی حقیقت دیکھی
خالقِ عالم ایجاد کی حکمت دیکھی

علومِ سرکارِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی سب سے بڑی نشرگاہ

امامیہ مشن پاکستان کی تبلیغی سرگرمیاں

ایک نظر میں

۱۔ سوا سات سال کے قلیل عرصہ میں ۱۶۴ کتابچے سات مختلف زبانوں، انگریزی، اردو گجراتی، بنگالی، پشتو، سندھی اور عربی میں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں۔

۲۔ امامیہ مشن پاکستان کے ذیلی شعبہ "مکتبہ امامیہ" کی طرف سے سولہ ضخیم کتب، صحیفہ کاملہ (دس روپے) متعہ اور اسلام (تین روپے) کربلا کی شیر دل خاتون (تین روپے) خلافت اور امامت (دس روپے) قبر و قبود (ایک روپیہ) اسوۂ حسینی (سوا دو روپے) زندگی کا حکیمانہ تصور (سوا دو روپے) حضرت امام حسین شہید کا جواب خلافت معاویہ و یزید (تین روپے)

ذکر انیس (تین روپے)، تاریخ اسلام حصہ اول (دو روپے)، منہاج الصالحین (تین روپے)، شہید اعظم (تین روپے)، خزینۃ المجالس (تین روپے) شائع ہو چکی ہیں، راہنمایان اسلام، فتح مبین، تاریخ حضرت امام حسن علیہ السلام، قرآن مجید مترجمہ مولانا فرمان علی صاحب قبلہ، حضرت ابوذر اور دیگر متعدد کتب زیر اشاعت ہیں۔

۳۔ امامیہ مشن پاکستان کے تقریباً پچاس مبلغین کئی سال سے بلا معاوضہ تبلیغی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ صرف آمد و رفت کا کرایہ لیا جاتا ہے۔ غریب مومنین اس سے بھی مستثنیٰ ہیں۔

۴۔ چھ سال سے مشن ماہوار آرگن "پیام عمل" علوم سرکار محمد و آل محمد کی نشر و اشاعت میں مصروف ہے، جسے ہر ماہ لاکھوں انسان بڑے ذوق شوق سے پڑھتے ہیں۔

۵۔ ملک بھر میں ایک سو پچیس اور بیرون ملک واشنگٹن، ہیمبرگ، جرمنی، لندن، ایران، عراق اور افریقہ میں پچیس ذیلی دفاتر دینی خدمات انجام دینے میں مصروف ہیں۔

۶۔ شعبہ شادی سے ضرورت مند شرفا انتہائی رازداری کے ساتھ استفادہ کرتے ہیں۔ اب تک ساٹھ سے زائد شادیاں کامیابی کے ساتھ انجام پائی ہیں۔

۷۔ سیرت و کردار کے ہفتہ وار اجتماع سات سال سے ہر اتوار کی صبح کو امام باڑہ ناروو والی۔ لاہور میں منعقد ہو رہے ہیں۔

۸۔ حسینی فنڈ کی وساطت سے ہر سال محرم پہ ہزاروں کتابچے مفت تقسیم ہوتے ہیں۔ اس فنڈ میں عطیہ بھیجنے والے حضرات کو مرسلہ رقم سے دو چند قیمت کا لٹریچر جس زبان میں بھی وہ پسند کریں محرم سے پہلے بھیجا جاتا ہے۔

۹۔ مشن کا ماہوار آرگن سینکڑوں لائبریریوں کو بلا قیمت بھیجا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مختلف مقامات پر امامیہ مشن لائبریریاں قائم کی جاتی ہیں، اور ایسی تمام لائبریریوں کو مطبوعات مشن بلا قیمت بھیجی جاتی ہیں۔

۱۰۔ بفضلِ ایزدی اور تائید چہاردہ معصومین علیہم السلام سے اس کے ممبران کی تعداد اس وقت چھ ہزار ہے جس میں بڑی تیزی کے ساتھ اضافہ جاری ہے۔

۱۱۔ ہر باشعور شیعہ کو اس تبلیغی تنظیم میں شامل ہو کر نصرت آلِ محمدؐ کا فرض انجام دینا چاہیئے۔

۱۲۔ دنیائے شیعیت کے مجتہد اعظم سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ۔ آقائے سید محسن حکیم طباطبائی مدظلہ العالی نے مشن کی دینی خدمات سے متاثر ہو کر ایک لاکھ روپے تک سہم امام (خمس) وصول کرنے کا اجازہ مرحمت فرمایا ہے۔

تفصیل چندہ رکنیت

سرپرست { پانچ سو روپیہ صرف یکمشت یا پچیس روپے کی آسان قسط میں } پیام مطبوعات مکتبہ امامیہ (تاریخ رکنیت کے بعد شائع ہونے والی مطبوعات امامیہ مشن پہلے سے شائع شدہ اور آئندہ شائع ہونے والی معہ ماہنامہ پیام عمل بلاطلب و بلاقیمت زندگی بھر بھیجی جائیں گی۔

مربی { ایک سو روپیہ صرف یکمشت یا دس روپے ماہوار کی آسان قسط میں } مطبوعات امامیہ مشن پاکستان (پہلے سے شائع شدہ اور آئندہ شائع ہونے والی) معہ ماہنامہ پیام عمل بلا طلب و بلاقیمت زندگی بھر بھیجی جائیں گی۔

خصوصی { صرف پانچ روپے سالانہ } سال بھر میں شائع ہونے والا تمام لٹریچر معہ ماہنامہ پیام عمل بھیجا جائے گا۔ اس لٹریچر کی مجموعی قیمت ساڑھے ستارہ روپے سے زائد ہوگی

امامیہ مشن پاکستان کا ہر ممبر مطبوعات مشن اور مکتبہ امامیہ بیس فیصد رعایت سے حاصل کر سکتا ہے

رابطہ قائم کرنے کا پتہ: آنریری جنرل سیکرٹری امامیہ مشن پاکستان (رجسٹرڈ) اردو بازار لاہور ۲

صرف
ایک نیا پیسہ یومیہ

سے قدرے زیادہ ادا کر کے آپ نصرت سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السّلام کا فرض انجام دے سکتے ہیں یعنی پانچ روپے سالانہ فیس رکنیت لینے کے بعد سال بھر میں شائع ہونے والا انمول لٹریچر معہ ماہنامہ پیامِ عمل بلا طلب و بلا طلب و بلا قیمت بھیجا جاتا ہے! اس لٹریچر کی مجموعی قیمت ساڑھے سات روپے سے زائد ہوتی ہے

بھلا اِس سے سستا سودا اور کیا ہو سکتا ہے؟

مشن کا ممبر ہونے کی صورت میں نہ صرف فیس رکنیت سے کہیں زیادہ قیمت کا لٹریچر مل جاتا ہے، بلکہ دوسری ان گنت تبلیغی خدمات میں شرکت بھی ہو جاتی ہے۔

خود ممبر بنیئے، اعزہ و احباب کو
ممبر بنائیے

تاکہ ہم سب کی مشترکہ کوششوں سے دین کی بیش بہا خدمات انجام دی جا سکیں والسّلام

آنریری جنرل سیکرٹری

امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ، اردو بازار لاہور ۲

حسینی فنڈ

میں

عطیہ مرحمت فرما کر مرسلہ عطیہ سے دوگنی قیمت کا لٹریچر (بعد از منہائی اخراجات ڈاک، اردو، انگریزی، گجراتی، بنگالی، پشتو، سندھی، یا عربی جس زبان میں بھی مطلوب ہو مجالس محرم اور جلوس ہائے عزا کے ہمراہ مفت تقسیم کرنے کیلئے محرم سے پہلے بھیجا جاتا ہے عاشقان حسین مظلوم علیہ السّلام سے استدعا ہے کہ وہ زیادہ امداد فرما کر کربلا کی عظیم قربانیوں کی اس کے اسباب و علل کے ساتھ نشر و اشاعت میں ہمارا ہاتھ بٹائیں، یقیناً اس عملی نصرت کا اجر ان کو معصومۂ عالم ہی درگاہ احدیت سے دلوائیں گی، ہم بہرحال ممنون ہوں گے،

الدّاعی الی الخیر

آنریری جنرل سیکرٹری

امامیہ مشن پاکستان، لاہور۔ ۲

(الہلال پریس لاہور)